ماہنامہ

دلیل راہ

لاہور

اگست 2010ء - رمضان المبارک 1431ھ

غارِ حرا کی روشنی

شہر طیبہ میں ہے پھیلی ، مہ لقا کی روشنی
روشن ہوئے دشت و جبل ، ہے دل ربا کی روشنی
جگمگاتے اٹھے زمین و آسمان و کائنات
نور زا ہے چار سو ، غارِ حرا کی روشنی
ظلمتوں کے ابر سارے چھٹ گئے ہیں سر بسر
کوہ فاراں سے پھیلی ، مصطفیٰ ﷺ کی روشنی
تیرہ دل روشن ہوئے اور گمری جاتی رہی
جب سے قلب و جاں پہ نازل ہے ھدیٰ کی روشنی
چاہتے ہو گر درخشاں حشر تک کی منزلیں
مصطفیٰ سے مانگ لیجیے ، مصطفیٰ کی روشنی
مصطفیٰ کا نور بھی کیا نور ہے صل علیٰ
اپنا حصہ پا لیا ہے جس نے بھی تا کی روشنی
”روشنی مغرب“ کی اپنائی ہے جب سے قوم نے
چھن گئی اس قوم سے خیر الوریٰ کی روشنی
دور ہو سکتے ہیں ، ملت کے سبھی رنج و اَلم
آج بھی حاصل ہو گر ، شمس الضحیٰ کی روشنی
میں نے پائیں مجتبیٰ کے در سے کیا کیا نعمتیں
جذب و شوق و سوزِ دل ، فقر و غنا کی روشنی
جب بھی حاجت پیش آئی ، مرحلہ نعت میں
رہنمائی کر گئی صل علیٰ کی روشنی
آپ کے در پہ کھڑے ہیں دست بستہ ہے دعا
بے نواؤں کو عطا ہو نقشِ پا کی روشنی
دامنِ رحمت میں لے لیں زندگی ہو خوش گوار
آج پھر درکار ہے ، فضل و عطا کی روشنی
ظلمتیں قلب و جگر کی بدر چھٹ سکتی ہیں سب
گر میسر ہو تجھے بدرالدجیٰ کی روشنی

سعید بدر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ضمیروں کی عدالت لگ چکی ہے

یہ پرانے زمانے کی بات ہے جب نہ مرغ اذانیں دیتے تھے اور نہ ہی ان کی آوازوں کے عقب میں قرآن مجید کی آیتیں گونجتی تھیں۔ جہالت کا زمانہ تھا لیکن لوگوں کے اندر ''انسانی قدریں'' ایک حد تک احترام کی نظر سے دیکھی جاتی تھیں۔ لوگوں میں ایسے لوگ عزت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے جو مشکل گھڑیوں میں کام آئیں۔

حضور ﷺ جب غار حرا سے نیچے تشریف فرما ہوئے تو آپ نے حضرت خدیجۃ الکبریٰ سے کہا مجھے کمبل اوڑھا دو، مجھے اپنے نفس پر اندیشہ ہو چلا ہے تو آپ نے عرض کی تھی:

''قسم اللہ کی وہ ذات آپ کو ہرگز کسی غم میں مبتلا کر کے اکیلا نہیں کرے گی اس لئے کہ آپ معدوم نیکیوں کے کمانے والے ہیں ٹوٹے ہوئے لوگوں کا بوجھ اٹھانے والے ہیں۔ مہمان نواز ہیں اور مصیبتوں میں مدد کرنے والے ہیں''۔

یہ اشارہ اس طرف تھا کہ انسان دوستی زندگی کی مضبوط بنیاد ہے۔ جو لوگ اپنے کام کو غریب نوازی کی اساس پر استوار کرتے ہیں کامیاب وہی ہوتے ہیں۔

دور جہالت میں ایک فقیر اور کنگال شخص کی بات ہے وہ اگرچہ بدچلنی میں معروف تھا۔ معصیت کی ظلمتوں نے سے اپنی لپیٹ میں لیا ہوا تھا۔ اس کے قبیلے والے بھی اس سے نفرت کرتے تھے۔ خالق کائنات کی طرف سے کرم کی ہوا چلی اور وہ شخص سونے، چاندی اور جواہرات کا مالک بن گیا لیکن اس نے اپنی قوم کو دولت کے بل بوتے پر تنگ کرنے کی بجائے نواز نا شروع کر دیا۔ عربوں میں ہر قبیلے کی سطح پر اس نے ستو اور کھجوریں کھلانی شروع کر دیں۔ دودھ اور پانی تقسیم کرنا اس کی عادت ہوگئی۔ اس شخص کا نام عبداللہ بن جدعان تھا۔ رشتے میں یہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا چچا لگتا تھا۔ اس شخص نے شام کی طرف دو ہزار اونٹ بھیجے جن پر گندم، شہد اور گھی لاد کر مکہ لایا گیا پھر اس نے ایک منادی کرنے والے کو یہ ذمہ داری سونپ دی کہ وہ ہر روز کعبہ کی چھت سے یہ اعلان کرے کہ کھانا حاضر ہے جس نے کھانا ہو بغیر کسی عصبیت کے اس کی خدمت کی جائے گی چنانچہ اعلان ہوتا:

''ابن جدعان کی دیگ کی طرف بڑھو''

ابن جدعان کی دیگ کے بارے میں حضور ﷺ کی ایک حدیث بھی روایت کی گئی ہے:

كنت استظل بظل جفنة عبد الله بن جد عان

''میں ابن جدعان کی دیگ کے سائے میں بیٹھا کرتا تھا''۔

کہا جاتا ہے کہ یہ سخاوت ہی کا تاجدار نہیں تھا قلم کا بھی دھنی تھا۔ امویوں کے خاندان میں حرب، ہاشمیوں میں عبدالمطلب، صدیقیوں میں ابن جدعان اور خویلدیوں میں ورقہ عربوں کے استاد تسلیم کئے گئے ہیں۔

ایک مرتبہ حضور ﷺ سے پوچھا گیا کہ ابن جدعان صلہ رحمی کرتا تھا، مسکینوں کو کھانا کھلاتا تھا کیا یہ سب چیزیں بروز قیامت اس کو نفع دیں گی؟

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

نہیں یہ سب کچھ اس کے کام نہیں آئے گا اس لئے کہ اس نے ایک دن بھی یہ نہیں کہا:

''اے میرے رب! میری خطائیں مجھے معاف کر دے''۔

ہمارے حکمران جو کچھ کر رہے ہیں انہیں ایک دن تو کہہ دینا چاہئے: ''اے ہمارے رب! ہمیں معاف کر دے''۔

حکومتیں قاتلوں کی سرپرست بنی ہوئی ہیں۔ غنڈوں لٹیروں کو جماعتوں کا مکالماتی نمائندہ بنا دیا گیا ہے۔ ان کے جی میں جو کچھ آتا ہے وہ کہے جاتے ہیں۔ پچھلے دنوں راولپنڈی کے ایک چوہدری نے داتا صاحب کے سانحہ کو معمولی اور روایتی حادثہ قرار دے کر نظر انداز کرنے کی کوشش کی حالانکہ انہی سیاست دانوں پر جب افتاد پڑتی ہے یہ داتا کی دہلیز پر جا کر اللہ کی ذات سے حاجتیں طلب کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض کو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ داتا علی ہجویری کی مرقد انور کی چادر گلے میں ڈال کر عقیدتوں کے چراغ جلانے کے حیلے کرتے ہیں، انہیں آج کیا ہو گیا ہے، یہ کس کے ہاتھ میں موم بنے ہوئے ہیں۔ گورنمنٹ نے اپنے بجٹ میں دس کروڑ روپے دہشت گردوں کو دینے کا اعلان کیا ہے۔

حکمرانوں کے رویے ٹھیک نہیں۔ دنیا ساری یہودیوں کی سازش کی لپیٹ میں ہے۔ دنیا میں قتل عام کے جتنے منصوبے وضع کئے جاتے ہیں ان کے عقب میں یہ زہریلا ذہن کارکشائی کر رہا ہوتا ہے۔ کہتے ہیں مسلمانوں کے خلاف چنگیزیوں کو بھڑکانے کی تحریک بھی یہودیوں کی تھی اور آج عراق سے افغانستان تک یہی بازیگر مسلمانوں کا قتل عام کروا رہے ہیں۔ ان کے نزدیک داتا صاحب کا دربار قدس سے زیادہ حرمت نہیں رکھتا۔ کون نہیں جانتا کہ اسرائیل کی تاریخ شرارتوں، سازشوں اور فتنہ انگیزیوں سے بھری ہوئی ہے۔ یہ بدعہد لوگ پیغمبروں تک سے بے وفائی کے مرتکب ہوتے رہے ہیں۔ یہودی دنیا کے مختلف ممالک میں جا کر بیٹھ گئے اور سودی کاروبار کے سب سے بڑے فسوں کار بن کر ظاہر ہوئے۔ امریکہ میں ان کو بڑی کامیابیاں حاصل ہوئیں۔ برطانیہ میں بھی یہ معیشت پر سوار ہو گئے۔ اپنی منافقانہ اور دبیز مصلحتوں کی بنا پر فرانس جرمنی میں ذلیل ہوئے اور برطانیہ نے مکمل کر ان کی مخالفت بھی کی لیکن امریکیوں کی تائید نے انہیں منظم کر دیا۔ امریکہ کی شہ رگ اب یہودیوں کے ہاتھ میں ہے۔ وہ شیطان بن کر اب اپنی تو تھنی امریکہ کے دل میں گاڑھے ہوئے ہے۔ ہاں یہ بات دردناک اور خوفناک ہے کہ وہ کون لوگ ہیں جو یہودیوں کی سازش منڈیوں میں پذیرائی حاصل کرنے والی دولت کے عوض بک رہے ہیں۔ کرائے کے قاتل کون ہیں؟ سازشی چالوں کی رسیاں کون لوگ بنے ہوئے ہیں؟ جنگ کا مقصد کیا ہے؟ پاکستان سے دشمنی کیا ہے؟ اس کی مخالفت کل کیوں کی گئی تھی اور اب اسے برباد کرنے میں کن کی خواہش پوری کی جا رہی ہے۔ جہاں تک ہمارے دین کا تعلق ہے وہ مکمل بھی ہے اور اکمل بھی ہے۔ ہماری مذہبی کتاب قرآن میں تو اللہ کے لفظ کا اضافہ بھی ممکن نہیں۔ دین جیسے تھا ویسے ہی ہے۔ زیر کو نہ زبر کیا جا سکتا ہے اور نہ زبر کو زیر کیا جا سکتا ہے۔ جب قرآن نے یہودیوں کی پست ذہنیت سے مسلمانوں کو آگاہ کر دیا تھا تو مسلمانوں کو، یہودی ہوں یا عیسائی، ان کے مقاصد کی تکمیل کے لئے موم کی ناک نہیں بننا چاہئے۔ اس منطق کو زیادہ دیر تک ناقابل فہم نہیں رہنا چاہئے کہ انگریز کے دور میں ہماری مسجدیں کچی رہیں اور کچھ لوگوں کی مسجدوں مدرسوں کے مینار اونچے ہوتے رہے اور وہ انگریز سرکار کی تعریف میں رطب اللسان رہے۔ آج آزادی کے بعد پھر صورت حال وہی نظر آ رہی ہے۔

ہمارے مدرسوں، خانقاہوں جامعہ نعیمیہ ہو

یا
پیر بابا کا مزار ہو یا داتا حضور کا آنگن
ہم ادھر ہی کیوں پھٹتے ہیں؟
حکمرانوں کو بے وقوف نہیں بننا چاہئے
بلکہ
ذہانت کے ساتھ تلاش کرنا چاہئے
کہ
کچھ لوگوں کے مدرسے اور دار العلوم سلامت رہیں بلکہ ترقی کریں
حکومتوں کے دسترخوان سے دس دس کروڑ کی غذا خوری کریں
اور
اہل سنت پھٹیں، ادھڑیں شاید یہ سزا وفا کی ہے، شاید یہ تعزیریں اسلام اور ایمان کی ہیں۔
شاید یہ تمغے پاکستان کے ساتھ رہنے کا اعتراف ہیں!
شکایتیں داورِ محشر ہی سے کی جاسکتی ہیں
دنیا کے حاکم تو صم بکم عمی ہو چکے ہیں
وہ بے چارے کیا کریں۔
گامے ماجھے
رانے رائے
چودھرا ہے
سادے زادے
اور مانے کانے
سب انہیں پریشان کئے ہوئے ہیں
اب تو ضمیروں کی عدالت لگ چکی ہے
فیصلوں کی قیامت ہی سے کھرا کھوٹا معلوم ہوگا
کوتوال شہر تو اقتدار کے برج سے یہی اعلان کر رہا ہے۔
کوئی آخری وصیت!
تمہارا انجام قریب ہے!
نا اللہ پڑھ لو
ہم حکمران نہیں رہے کسی کے مقرر کردہ جلاد ہیں۔
آؤ مل کر کلمہ پڑھتے ہیں
انجام تو اچھا ہو جائے
لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ
اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں
محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں

ہمارے الٰہ!

ہمارے مالک!

ہماری شرمساریوں، رسوائیوں اور بدعملیوں پر وائے

ے مالک ہمارے! تو نے بھی دھتکار دیا تو کس کا سہارا لیں گے

ب تو ہماری ہمتیں ٹوٹ گئی ہیں

آقا زین العابدین ؑ کے لفظوں میں ہم نے اپنی چاہتیں تیری ہی طرف پھیر دی ہیں۔

تیری ملاقات ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک

تیرا وصل ہماری دلی آرزو

تیرا ہی شوق

تیری ہی محبت کا جنون

تیری چاہت ہی ہمارا عشق

ور

تجھ سے راز و نیاز ہماری خوشی

ہماری راحت تیرا نام ہے

ہماری چاہت تیرے نبی کی زیارت ہے

زندگی موت سب تیرے لئے

سلام زندہ باد .... پاکستان پائندہ باد

دعاؤں کا طالب

سید ریاض حسین شاہ

حرف حرف روشنی

سید ریاض حسین شاہ قرآن مجید فرقان حمید کی تفسیر "تبصرہ" کے عنوان سے تحریر کر رہے ہیں۔ ان کا اسلوب نگارش منفرد اور دیگر مفسرین سے مختلف بھی ہے اور دلچسپ بھی۔ انداز بیان سادہ اور دلکش ہے جس میں رموز و معانی کا سمندر موجزن ہوتا ہے۔ ذیل میں ہم قارئین کی دلچسپی کے لیے سورہ تکویر کے پہلے حصے کی تفسیر پیش کر رہے ہیں (ادارہ)

سید ریاض حسین شاہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ﴿١﴾ وَإِذَا النُّجُومُ
انكَدَرَتْ ﴿٢﴾ وَإِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ﴿٣﴾ وَ
إِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ﴿٤﴾ وَإِذَا الْوُحُوشُ
حُشِرَتْ ﴿٥﴾ وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ﴿٦﴾ وَإِذَا
النُّفُوسُ زُوِّجَتْ ﴿٧﴾ وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ
سُئِلَتْ ﴿٨﴾ بِأَيِّ ذَنبٍ قُتِلَتْ ﴿٩﴾ وَإِذَا
الصُّحُفُ نُشِرَتْ ﴿١٠﴾ وَإِذَا السَّمَاءُ
كُشِطَتْ ﴿١١﴾

جب سورج کو لپیٹ لیا جائے گا۔ اور جب ستارے بے نور ہو جائیں گے۔ اور جب پہاڑ اکھاڑ دیئے جائیں گے۔ اور جب گابھن اونٹنیاں چھٹی پھریں گی۔ اور جب وحشی جانوروں تک کو جمع کر دیا جائے گا۔ اور جب سمندر بھڑکتی آگ کی طرح بھڑکا دیئے جائیں گے۔ اور جب نفوس کو ایک دوسرے سے ملا دیا جائے گا۔ اور جب زمین میں گاڑ دی گئی بچی سے پوچھا جائے گا۔ کہ وہ کس گناہ میں قتل کی گئی۔ اور جب عمل کی کتابیں کھول دی جائیں گی۔ اور جب آسمان کو ادھیڑ دیا جائے گا۔

صاحب انداز رسول ﷺ کے قلب وسیع اور روح لطیف پر اترنے والا یہ قیامت نامہ مکہ میں نازل ہوا اس کی آیات کی تعداد انتیس 29 ہے۔

اس سورت کے پانچ حصے ہیں۔ پہلے دو حصوں میں کائنات کے اندر بپا ہونے والے دو تکوینی انقلابات ہیں۔ ایک انقلاب تو وہ عظیم تکوینی حادثہ ہے جسے قیامت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ حادثہ جب رونما ہوگا تو چاند ستارے، پربت وادی، پہاڑ سمندر اور زمین آسمان کچھ بھی آج موجود صورت میں نہیں بچے گا، ہر چیز کو تخلیق کا نیا جامہ پہنا دیا جائے گا۔ "سورت تکویر" دوسرا تکوینی انقلاب انسانی مشاہدہ کے سامنے ابھارتی ہے اور ایمان آفرین لیل و نہار کی گردش کو معنوی استدلال بنا کر قاری قرآن کے دل اور دماغ میں بیداری پیدا کرتی ہے تاکہ وہ اصلاح کے دو عظیم ذرائع سے مستفید ہوسکے۔

"سورہ تکویر" کے اگلے تین حصے نہضت اور بیداری کے تین بنیادی اصول ہیں: پہلی بات وحی کی حقیقت پر یقین سازی ہے۔ قرآن حکیم کا یہ حصہ انسانی زندگی میں وحی کے مؤثر ہونے کو برحق بیان کرتا ہے۔ قرآن مجید پر ایمان دراصل وحی پر ایمان ہی سے روح کی گہرائی میں اتر سکتا ہے۔ دنیا میں آنے والا ہر شخص گام گام رہنمائی کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔ "سورہ تکویر" بڑے واشگاف انداز میں عقل پر بھروسہ کرنے کی بجائے وحی کے حقیقی نظام پر اعتماد پیدا کرتی ہے۔

یہ کیسے ممکن ہے کہ دروازے پر دستک دینے والے فرشتے کا ذکر ہو، اس ہستی کا ذکر نہ ہو جو وحی موصول کرنے والی ہے اور پھر اس ہستی کے بعد جبرائیل کا وحی کے حوالہ سے آنا جانا منقطع ہو جاتا ہو۔ "سورہ تکویر" کی جان ختمی مرتبت حضور ﷺ کا مقام اور شان بیان کرنا ہے۔ اس سورت کا اعجاز یہ ہے کہ اس میں ان حساس لمحات کی تصویر کشی کر دی گئی ہے جب صاحب وحی پر جنون کا الزام لگایا گیا۔ "سورہ تکویر" نے عقل کے اندھوں کو حقیقت کا راستہ بتایا کہ عقل محمدی کا اعجاز دیکھنا ہو تو قرآن پڑھ لو پھر بعض باتوں میں اللہ تعالیٰ کی مشیت بیان ہوئی۔

سورت کا اسلوب دلوں کو خوف سے بھر دیتا ہے۔ قیامت کا حادثاتی بیان نفوس میں جھٹکے پیدا کرتا ہے اور اس خیال کو پختہ کر دیتا ہے کہ ایک دن آنے والا ہے جب سکون دینے والی ہر چیز سے جدائی واقع ہو جائے گی، اُمیدوں کے افق پر دور دور تک سیاہی چھا جائے گی۔

ایک حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص چاہے کہ قیامت کو آنکھوں سے دیکھ لے تو وہ "سورہ تکویر" پڑھے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ حضور ﷺ سے عرض کی کہ آپ اپنی عمر سے زیادہ ضعیف اور کمزور ہوتے جا رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا پانچ سورتوں نے مجھے ضعیف کر دیا ہے: "سورہ ھود، سورہ واقعہ، سورہ مرسلات، سورہ عم یتساءلون اور سورہ تکویر"۔

علامہ قرطبی نے تو یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ حضور انور ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جو شخص چاہے کہ بروز قیامت مجھے دیکھے تو وہ سورہ تکویر، سورہ انفطار اور سورہ انشقاق کی تلاوت کرے"۔

رسول اکرم ﷺ کے دیدار کی حدیث جب نقل کر رہا ہوں تو یہ 12۔ ربیع الاول کی سہانی صبح ہے اور اکیس توپوں کی سلامی دی جا رہی ہے۔ محسوس ہو رہا ہے کہ محبوب کی آمد اور میلاد پر کسریٰ کے محلات پر لرزہ طاری ہو گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو پھر وہ صبح نصیب فرمائے گا جب کفر کا ہر محل سرنگوں ہو جائے گا اور کائنات کی وسعتوں سے حضور ﷺ کے نعتیہ زمزمے مسلمانوں میں خوشیاں بانٹیں گے۔

إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝

"جب سورج کو لپیٹ لیا جائے گا"۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ "سورہ تکویر" اس جہان رنگ و بو کے اختتام اور وقوع قیامت کے دل ہلا دینے والے بارہ حادثات بیان کرتی ہے (1)۔ سب سے پہلے سورج کے دفتر کا لپیٹ دینا بیان ہوا ہے۔ سورج کے لپیٹے جانے سے مراد اس کے شعلے کا بجھ جانا ہے اور یہ جبھی ہوگا جب سورج کو ٹھنڈا کر دیا جائے گا۔ "تکویر" کا لفظ بتاتا ہے کہ سورج اپنی کہکشاں میں خود ہی منور اور پر حرارت نہیں، کاغذوں کے دفاتر کی مانند اس کی کرنیں بہت سارے ستاروں اور سیاروں کو روشن کیے ہوئے ہیں۔ قیامت جب بپا ہوگی تو یہ پوری کی پوری کہکشاں لپیٹ اور سمیٹ دی جائے گی۔ ممکن ہے کہ اسے کسی دوسرے کام میں لانے کے لئے کھول دیا جائے لیکن اس کا صحیح علم اللہ وحدہ لا شریک ہی کے پاس ہے۔ شمسی تباہی کیسے پھیلے گی۔ اس پر بہت کچھ سوچا جا رہا ہے اور سوچا گیا ہے۔ بعض ماہرین فلکیات کہتے ہیں طویل عمر پانے والا سورج اپنی طبعی عمر پا لینے کے اختتام تک پہنچ جانے کی وجہ سے ٹھنڈا ہو جائے گا اور اس کے شعلوں کا خمود کئی دوسرے سیاروں کو بے نور کر دے گا۔ ماہرین یہ بھی کہتے ہیں کہ کائنات میں اربوں کھربوں ستارے اور فلکیاتی نظام نامعلوم منزل کی طرف رواں دواں ہیں۔ ہمارا سورج اپنے کہکشانی نظام خاندان کے ساتھ تقریباً سات لاکھ بیس ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے سفر طے کر رہا ہے، کائنات میں

ایک قسم کی دوڑ لگی ہوئی ہے۔ معروف ایٹمی سائنس دان سلطان بشیر لکھتے ہیں (2)۔ کہکشاؤں کی دوڑ میں بعض ستارے ایسے بھی دوڑ رہے ہیں جیسے کوئی شرابی ٹرک چلا رہا ہو، ہر لمحے کئی قسم کے حادثات ہوتے ہیں لگتا ہے ایک دن سورج کسی ستارے سے ٹکرا جائے گا اور اس کے ساتھ ہی شمسی نظام کی تباہی زمینی نظام تباہی کا پیش خیمہ ثابت ہوگی اور یہ بھی ممکن ہے کہ سورج کے اندر ہی کسی ثقل، دباؤ یا کھچاؤ دھماکہ ہوگا اور سورج پھٹ پڑے۔ تکویر شمس کے اسباب وعلل پر بحث سب ظنی علوم ہیں حقیقی علم اللہ کے پاس ہے البتہ قرآن حکیم نے "جمع الشمس والقمر" کی بات کی ہے (3)۔ اس سے سورج اور چاند کا ٹکراؤ بھی مراد ہوسکتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کسی دباؤ اور غضب سے سورج کی کشش ثقل چاند کو اپنے اندر جذب کر لے اور ظاہر ہے یہ انجذاب کسی بڑے دھماکے کی صورت میں ہوگا۔ قرآن مجید نے چاند کے ٹکڑے ٹکڑے ہونے کی بات تو کی ہے (4)۔ آیت کا زور حقیقتوں سے پردہ کشائی نہیں وقوع قیامت پر یقین آفرینی ہے۔ ایسا یقین جو استحکام ایمان اور اصلاح عمل کا سبب بن جائے۔

تکویر شمس سے اکابر مفسرین نے جو معانی اخذ کیے ہیں، ترتیب سے نقل کیے جاتے ہیں (5)۔

مجاہد نے کہا تکویر شمس سے مراد یہ ہے کہ سورج کو مضمحل کر دیا جائے گا۔۔۔۔"

قتادہ فرماتے تھے کہ اس کی روشنی ختم کر دی جائے گی۔۔۔۔"

سعید بن جبیر نے کہا کہ سورج کو کسی غار میں ڈال دیا جائے گا۔۔۔۔"

جدید ماہرین فلکیات بھی ایک آسمانی ہول کی بات کرتے ہیں کہ جب کوئی سیارہ اس کے پاس سے گزرتا ہے تو وہ اس کے اندر دھنس جاتا ہے۔ ممکن ہے سعید بن جبیر کا اشارہ یہی غار ہو۔۔۔۔"

ربیع بن خثیم نے کہا کہ سورج کو دور پھینک دیا جائے گا۔۔۔۔"

زید بن اسلم نے فرمایا کہ سورج کو زمین پر پٹخ دیا جائے گا۔۔۔۔"

مفسرین کے بعض اقوال عجیب ضرور نظر آتے ہیں لیکن تکویر کے لفظ پر غور کرنے سے کئی عقدے کھل جاتے ہیں کہ لپیٹنا اور سمیٹنا، اس کا مطلب ہی پہلے چھوٹا کرنا ہے اور پھر اس کو پھینکنا ہے۔ بعض احادیث میں یہ بھی وارد ہوا ہے کہ سورج کو بے نور کر کے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔۔۔۔"

وَإِذَا النُّجُومُ انكَدَرَتْ ﴿٢﴾

"اور جب ستارے بے نور ہو جائے گے"۔

"انکدار" کا لغوی معنی بکھرنا، پراگندہ ہونا، گر جانا اور تیرہ و تاریک ہو جانا ہوتا ہے۔ قیامت کا خوفناک مرحلہ جب ستارے بے نور ہو کر گر پڑیں گے اور تاریکیوں کے پردے کے پیچھے نامعلوم گہرائیوں میں غائب ہو جائیں گے۔ اگر یہ لفظ کدورت سے ہو تو بے نور ہونے کا معنی پیدا کرے گا اور یہ بھی ممکن ہے کہ "انکدار" سے مراد ستاروں کا مٹ جانا ہو اس لئے کہ سورہ مرسلات کی آٹھویں آیت میں ستاروں کے طمس یعنی مٹ جانے کی بات کی گئی ہے (6) اور سورہ انفطار کی دوسری آیت میں منتشر ہونا بیان کیا گیا ہے (7)۔

آیت میں قرآن مجید نے نجوم کی بات کی ہے۔ کروڑں اربوں ستاروں پر مشتمل کہکشاں مسلسل حرکت میں ہے بعض ستارے زمین کے قریب ہیں اور بعض دور ہیں۔ ہر لمحہ عالم بالا میں شکست وریخت کا عمل جاری ہے۔ آتشی شہابیے اربوں کی تعداد میں اندھا دھند متحرک رہتے ہیں۔ ستاروں کی اندرونی ساخت کشش اور دباؤ سے خارج پر دباؤ ڈالتی ہے جس سے زوردار دھماکے پیدا ہوتے ہیں۔ یہ ستاروں کی تباہی کا سبب بن جاتے ہیں۔ سائنس دان کہتے ہیں کہ سورج اپنی حرکت میں بعض اوقات ڈگمگاتا ہے۔ یہ ووبلنگ (w obbling) اس کی زندگی کے لئے بہت ہی خطرناک عمل ہے۔ ممکن ہے کروڑں ستارے بھی اپنی اندھا دھند تحریک میں ڈگمگاتے ہوں جو کسی بڑے حادثے کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتے ہیں۔ اپنی مخلوق کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔

امام فخر الدین رازی لکھتے ہیں:

"ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آسمان اور زمین کے درمیان ستارے قندیلوں کی صورت میں لٹک رہے ہیں۔ انہیں نور کی زنجیروں سے باندھ دیا گیا ہے۔ فرشتے انہیں تھامے ہوئے ہیں۔ جب زمین پر سب زندہ وجود بے جان ہو جائیں گے تو ان قندیلوں کو تھامنے والے بھی نہیں رہیں گے۔ اس طرح یہ قندیلیں زمین پر گر پڑیں گی" (8)۔

قرآن مجید کا تفسیری عمود عقیدہ سازی، یقین آفرینی اور عمل کی تحریص پیدا کرتا ہے۔ ستاروں کا روشن ہونا اور بے نور ہونا، ایک سیدھی سمت چلنا اور ووبلنگ کرنا اور بعید اور قریب ہونا ایک نظام ہے جو غالب، عزیز اور طاقت ور ہاتھ میں ہے۔ پانچ چھ فٹ کے چھوٹے سے انسان کو کچھ

بنا چاہیے کہ شمس وقمر اور نجوم وکواکب عدم سے وجود میں لائے جاسکتے ہیں اور پھر انہیں بے نور کر کے نئی تخلیق کا مقدمہ بنایا جاسکتا ہے تو اللہ تعالی کے لئے کوئی مشکل نہیں کہ انسان کو موت دے کر پھر زندگی بخشے اور پھر حساب اور احتساب کے کٹہرے میں اتار دے۔ واللہ اعلم۔

وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ۝

''اور جب پہاڑ اکھاڑ دیئے جائے گے''۔

پہاڑ دھنکی ہوئی روئی کی طرح ہو جائیں گے(9)۔

ممکن ہے یہ اس وقت ہو جب کشش ثقل کا نظام ختم ہو جائے اور ہر چیز بے وزن ہو اور بے رحم، تیز اور بے سمت ہوائیں ان چیزوں کو اپنے دوش پر اڑائی پھریں۔ زیر تفسیر آیت بتاتی ہے کہ پہاڑ چلنے لگ جائیں گے اور قیامت بپا ہونے کا پہلا مرحلہ ہو گا۔

پہاڑوں کے بارے میں قران مجید یہ بھی کہتا ہے کہ اللہ تعالی انہیں پیس دے گا۔

سورہ طٰہ میں ارشاد باری ہے(10)۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا ۝ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ۝

''اور وہ لوگ آپ سے پہاڑوں کے بارے میں پوچھتے ہیں تو فرمایئے! میرا رب انہیں پیس کر رکھ دے گا اور زمین کو ہموار اور صاف کر دے گا''۔

سورہ واقعہ میں ارشاد ہوا کہ پہاڑوں کو کوٹ کر غبار بنا دیا جائے گا۔

وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ۝ فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا ۝

''اور پہاڑ غبار ہو جائیں گے جو فضا میں بکھر جاتی ہے''(11)۔

سورہ حاقہ میں ارشاد ہوا کہ پہاڑ اپنی جگہ سے اکھڑ کر آپس میں ٹکرائیں گے۔

وَّحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ۝

''اور زمین اور پہاڑ اٹھا کر یکبارگی ریزہ ریزہ کر دئے جائیں گے''(12)۔

سورہ نبا میں ارشاد ہوا کہ پہاڑوں کو سیراب بنا دیا جائے گا۔

وَّسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ۝

''اور پہاڑ چلا دیئے جائیں گے تو وہ سراب ہو جائیں گے''(13)۔

سید قطب نے لکھا کہ پہاڑوں کا تماسک، رسوخ، جما ہونا اور ثبات سب کچھ ختم ہو جائے گا اور پہاڑوں کے چلانے سے اس زلزلہ کی طرف اشارہ ہے جس کا ذکر سورہ زلزال میں ہوا ہے(14)۔ واللہ اعلم

وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ۝

''اور جب گابھن اونٹنیاں چھٹی پھریں گی''۔

صدر الافاضل نعیم الدین مراد آبادی نے لکھا:

کہ ایسی اونٹنی جو حاملہ ہو اور دسویں ماہ میں لگی ہو''عشار'' ہوتی ہے(15)۔

''عطلت'' تعطیل سے ہے۔ سرپرست اور محافظ کے بغیر چھوڑ دینا۔ اونٹنیاں جب بچے دینے سے قریب ہوں، عرب انہیں اپنا سرمایہ تصور کرتے ہیں اور ان کی حفاظت اور نگہبانی میں کسی قسم کی سستی روا نہیں رکھتے، ہر وقت ان کا دھیان اور توجہ اس اونٹنی میں رہتا ہے۔

فرزدق کا معروف شعر ہے(16)۔

کم عمة لک یا جریر و خالة

فدعاء قد حلبت علیّ عشاری

''عشار'' کا معنی اگرچہ دودھ نہیں ہوتا لیکن فرزدق نے بچہ ہونے کا عہد قریب ہونے کی وجہ سے دودھ دینے کی نسبت ''عشار'' کی طرف کر دی ہے۔ یہ شعر بتاتا ہے کہ عرب حضارت میں اونٹنی سرمایہ کی حیثیت رکھتی تھی اگر اس سرمایہ کی طرف توجہ معطل ہو جانے اور اونٹنیاں بے سرپرست ہو جائیں تو یہ کسی سنگین حادثہ پر دلالت کرنے والی شئی ہوتی ہے۔ قران مجید کی آیت قیامت کی ہولناکیوں کو بیان کرتی ہے کہ لوگ اپنے قیمتی سرمایہ سے بھی بیگانہ اور بے توجہ ہو جائیں گے(17)۔

بعض ائمۂ لغت نے "عشار" سے مراد وہ ابر کے ٹکڑے لئے ہیں جو نظر آئیں لیکن برسیں نہ۔ طبری نے لکھا کہ ممکن ہے یہ ایٹمی بادل ہوں جن کے طوفان پہاڑوں کو پیس کر رکھ دیں گے (18)۔ بعض مفسرین نے "عشار" کی تفسیر گھروں کے اجڑنے اور زرعی زمینوں کے بنجر ہو جانے سے کی ہے (19)۔ ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ قیامت واقع ہونے کے پہلے مرحلے پر ہوگا۔

وَإِذَا الْوُحُوشُ حُشِرَتْ ۝

"اور جب وحشی جانوروں تک کو جمع کر دیا جائے گا"۔

قیامت کی ایک ہولناک نشانی یہ ہوگی کہ وحشی درندے تک ایک جگہ جمع ہو جائیں گے۔ عرصہ قیامت کی دہشت اور خوف درندوں سے ان کے چیرنے پھاڑنے کے خصائص چھین لے گی۔ ان کا وجدان امن کی تلاش میں انہیں ایک دوسرے کے قریب کر دے گا۔ قیامت میں تباہی کی بڑی ہیبت اور دہشت گویا انہیں ایک دوسرے کی معیت میں قلعہ نظر آئے گی لیکن یہ منظر بھی تھوڑے وقت کے لئے ہوگا۔

ابن کثیر نے "حشرت" سے مراد ہر زندہ چیز کا خدا کے حضور جمع ہونا مراد لیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ مکھیاں تک محشور ہوں گی (20)۔ قتادہ نے کہا ان جانوروں کو جمع کرنے کے بعد اللہ جو چاہے گا حکم فرمائے گا بقول عکرمہ ان جانوروں کو مردہ کر دیا جائے گا بلکہ خاک کر دیا جائے گا (21)۔

اس مفہوم کو سورہ انعام کے اندر بھی اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے (22)۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّآ أُمَمٌ أَمْثَالُكُمْ ۚ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ إِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ۝

"اور جو زمین پر چلنے والا جانور ہے اور جو پرندہ اپنے پروں سے اڑنے والا ہے وہ تمہاری ہی طرح کی امتیں ہیں۔ ہم نے کتاب میں کوئی چیز نہیں چھوڑی ہے پھر سب لوگ اپنے رب کے ہاں جمع کئے جائیں گے"۔

وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ۝

"اور جب سمندر بھڑکتی آگ کی طرح بھڑکا دیئے جائیں گے"۔

اور جب سمندر اور دریا بھڑکا دیئے جائیں گے۔ ممکن ہے زیر زمین آتش فشانوں کے پھٹ جانے کی وجہ سے آتشیں مادے زمین کی ظاہری پرت کو پھاڑ کر نمودار ہو جائیں اس طرح دریا اور سمندر آگ سے بھر جائیں۔ قرآن حکیم نے "تسجیر" سے ماضی مجہول کا صیغہ استعمال کیا ہے جس کا لغوی معنی تنور میں آگ دہکانا ہوتا ہے۔ یہ لفظ سمندروں کے علاوہ کسی خارجی آگ کی بجائے پانی پر "تسجیر" کے عمل کی بات کرتا ہے اور بات قابل تعجب نہیں اس لئے کہ پانی آکسیجن اور ہائیڈروجن کا مرکب ہے اور یہ دونوں گیسیں ایک بھڑکنے والی ہے اور دوسری بھڑکانے والی ہے۔ سورہ انفطار "تفجیر" کا عمل بھی بتاتی ہے۔ ممکن ہے قیامت کے ہولناک حادثے، زلزلے، آتش فشاں کا پھٹ جانا، پانی کی تفجیر کرے یعنی دونوں گیسوں کو جدا جدا کر دے اور جدائی کے بعد جہاں پہاڑوں کی طرح موجیں اٹھانے والے سمندر تھے وہاں آگ کے طوفان تباہی مچا دیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ سمندروں کی تہہ میں زیر زمین ہائیڈو کاربن کے وسیع ذخائر موجود ہوں جو زلزلوں سے زمین پھٹ جانے کی وجہ سے آگ پکڑ لیں جس سے سمندر جل اٹھیں۔ آج کے سائنس دان گہری کھدائی (Deep Drilling) کے بعد اگر ان ذخائر تک رسائی حاصل کر لیں تو توانائی کا بحران ختم کیا جا سکتا ہے۔

ماضی قریب میں کراکاٹو (Karakato) کا آتش فشاں جب پھٹا تھا تو قریب کے سمندر ایسا لگتا تھا جیسے ان میں پانی نہ ہو بلکہ آگ موجزن ہو گئی ہو (23)۔

امام فخر الدین رازی کے الفاظ بہت خوبصورت ہیں کہ کمزور توجیہات کے تکلفات کی کیا ضرورت ہے۔ رب ذوالجلال قادر ہے جب سورج کو بے نور کر دیا، ستاروں سے روشنی چھین لی اور پہاڑوں کو غبار بنا دیا اس سے بعید تو نہیں مانا جا سکتا ہے کہ وہ سمندروں کو حکم دے اور وہ پانی کی لہروں کی بجائے آگ کی موجیں اگلنے لگ جائیں (24)۔ واللہ اعلم

اکابر مفسرین نے آیت کی تفسیر یوں بیان کی ہے:

امام قشیری کہتے ہیں کہ میٹھے اور کھاری سمندروں کے حجابات دور کر دیئے جائیں گے اور باہم مل کر زمین کو اپنی لپیٹ میں لے لیں گے یہی "تسجیر" ہے (25)۔

مجاہد نے کہا کہ "تسجیر" کا معنی آگ کا افروختہ ہونا ہے (26)۔

حسن، ضحاک اور قتادہ نے کہا پانی خشک ہو جائے گا یہاں تک کہ ایک قطرہ بھی نہیں رہے گا۔ آگ کے لاوے سمندروں میں پانی کی جگہ

لے لیں گے (27)۔

ربیع بن خثیم نے کہا سمندروں کا جوش مارنا مراد ہے (28)۔

حضرت علی ﷺ نے ایک مرتبہ ایک یہودی سے کہا بھلا تو جاننا چاہتا ہے کہ جہنم کہاں ہے اس نے کہا سمندر ہے اس پر آپ نے اپنے صحاب سے کہا میری رائے بھی یہی ہے (29)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اللہ تعالیٰ ایک قسم کی ہوا بھیجے گا جس سے سمندر آگ بن کر شعلہ زن ہوں گے (30)۔

وَ اِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ ۝

''اور جب نفوس کو ایک دوسرے سے ملا دیا جائے گا''۔

صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی نے اس آیت کی روح کو تین طرح سمجھا ہے۔

خزائن العرفان میں آپ لکھتے ہیں:

''نیک نیکوں کے ساتھ ملا دیئے جائیں گے اور بد، بدوں کے ساتھ جوڑ دیئے جائیں گے'' (31)۔

تزویج نفوس کا یہی معنی اکثر مفسرین نے اخذ کیا ہے۔ قرآن حکیم فرقان مجید میں سورہ واقعہ کی ساتویں آیت کا مفہوم بھی یہی ہے (32)۔

وَّ كُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً ۝ فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۙ مَاۤ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۝ وَ اَصْحٰبُ الْمَشْـَٔمَةِ ۙ مَاۤ اَصْحٰبُ الْمَشْـَٔمَةِ ۝ وَ السّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ۝

''اور تم تین گروہوں میں تقسیم ہو جاؤ گے، اصحاب میمنہ تو کیا کہنا اصحاب میمنہ کا، دوسرا گروہ اصحاب شمال کا، تو کتنی نحوست ہے بائیں بازو والوں کی اور تیسرا گروہ سبقت لے جانے والوں کا ہے اور سبقت والے ہی مقربین ہیں''۔

بعض بزرگوں نے زوج سے مراد جماعت لی ہے یعنی بروز محشر تمام لوگ اپنی تین جماعتوں میں تقسیم ہو جائیں گے جن کا بیان سورہ واقعہ میں ہوا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ نیکیوں اور بدیوں کے لحاظ سے مزید تقسیم ہو جائے (33) مثلاً سود خوروں کو سود خوروں کے ساتھ ملا دیا جائے ور رشوت خوروں کو رشوت خوروں کے ساتھ جوڑ دیا جائے۔ مختلف اعمال پر جنت اور دوزخ کے مختلف دروازے اور درجوں کا کھلنا اور جوجس کا اہل ہوا سے ادھر جوڑنا بعض احادیث سے بالاتفاق مستفاد ہے۔ آیت کے معنوی استخارے پر فقیر راقم الحروف پر اللہ تعالیٰ نے جب قیامت کا منظر کھولا تو مختلف لوگوں کو مختلف صفوں میں دیکھنے والے نے پہچان کر پوچھا ان لوگوں کو اس ترتیب سے کیوں کھڑا کیا گیا ہے۔ رہنمائی ہوئی ان کے اعمال کے لحاظ سے ان کے گروہوں کی تقسیم ہوئی ہے۔

ایک حدیث شریف میں صراحت کے ساتھ یہ مضمون بیان ہوا ہے۔

''ہر شخص کو اس قوم کے ساتھ ملا دیا جائے گا جو اس کے موافق عمل کرتے تھے'' (34)۔

صدر الافاضل نے تزویج نفوس کا دوسرا معنی یہ لیا ہے کہ ارواح کو اجسام کے ساتھ ملا دیا جائے گا اور انسانوں کو نئی اور تازہ بلکہ پہلی زندگی سے زیادہ قوی اور محکم حیات فرما دی جائے گی (35)۔

تیسرا قول یہ ہے:

''جنتی نفوس کو حوروں کے ساتھ اور جہنمی نفوس کو شیطانوں کے ساتھ جوڑ دیا جائے گا'' (36)۔

وہ سعادت مند لوگ جو عشق الٰہیہ کی آگ میں جلنے، قرب رسول ﷺ کی خوشبو سونگھنے اور اصلاح احوال کے لئے کسی مرشد اور مربی کے حلقہ ارادت میں داخل ہو کر ان کے دست بوس اور پاگرفتہ ہوتے ہیں یہ آیت بتاتی ہے کہ بروز محشر انہیں اپنے بزرگوں کی معیت میں بالآخر جان رحمت ﷺ کی غلامی میں جوڑ دیا جائے گا اور وہ اس آیت کے مصداق فرحاں جنت میں داخل ہوں گے۔

فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ۝

وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ۝

''سو داخل ہو جا میرے بندوں میں

اور داخل ہو میری جنت میں''۔ (الفجر: 30-29)

اللہ تعالیٰ یہ سرور الماآب ہم سب کو نصیب فرمائے۔

وَ اِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ۝ بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ۝

"اور جب زمین میں گاڑدی گئی بچی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس گناہ میں قتل کی گئی"۔

دو آیتوں میں زمانہ جاہلیت کا ایک خوف ناک عمل، قبیح حرکت اور قابل صد مذمت فعل بیان کرنے کے بعد قیامت کا وہ منظر بیان کیا گیا ہے جب زندہ درگور کی جانے والی لڑکی سے پوچھا جائے گا اسے کس جرم کی پاداش میں قتل کیا گیا۔ اس قسم کا قتل انسانی جان کی انتہائی تذلیل اور سفاکانہ اقدام، جھوٹے غرور یا پھر غربت اور افلاس کی وجہ سے ہوتا۔ یہ بات اپنی جگہ بالکل درست ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب تشریف فرما نہیں ہوئے تھے، قرآن جب نہ اترا تھا، پوری دنیا تاریک اور دبیز اندھیروں میں ڈوبی تھی۔ وہ دور پیشانیوں کی روسائیوں کا زمانہ تھا۔ عدل وانصاف کی روشنی جیسے زمانوں نے دیکھی ہی نہیں تھی۔ سینوں کے اندر دل نہیں تھے، پتھر کی سلیں تھیں کہ وہ اپنی بچیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے۔ اگرچہ کہا گیا ہے کہ یہ قبیح فعل صرف بنوکندہ میں جاری تھا، کوئی بھی ہو اور کہیں بھی ہو، یہ اعمال کا وحشیانہ مظہر ہے۔ الٹی کھوپڑی کے ان درندہ انسانوں کا نقشہ زمانہ جاہلیت کے اس شعر میں دیکھا جا سکتا ہے:

سمیتھا اذا ولدت تموت

والقبر صھر ضامن ذمیت

"میں نے پیدا ہونے والی بچی کا نام "تموت" رکھا۔ قبر میرا داماد ہے جس نے اس کو بغل میں دبا کر خاموش کر دیا ہے"۔

اس فعل کی قباحت کا اندازہ اس سے لگائیے کہ سر قیامت صرف بچیوں سے پوچھا جائے گا تمہارا کیا گناہ تھا کہ تمہیں اس طرح زمین میں زندہ دفنا دیا گیا۔ قاتل سے بات تک نہ ہوگی صرف مقتول کی گواہی پر ہی سفاک قاتلوں کو دوزخ میں جھونک دیا جائے گا۔

قرآن مجید نے انسانی سوسائٹی کے اس ظالمانہ اور سفاکانہ مظہر کو بیان کرنے کے بعد گویا استدلال کیا ہے کہ قیامت آخر قائم کیوں نہ ہو؟ مگر وہ قاتل اور بدعملیوں کا طوفان بدتمیزی مچانے والے کسی انجام سے دوچار نہ ہوں۔ چیختی چلاتی بچیاں جن کی آوازیں زمین کی تہہ ہی میں دب گئیں اس کا انتقام لینے والا کوئی تو ہو۔

خالق زمین وزماں کی قسم!

ضرور ایسے ہوگا

آج بازاروں اور چوراہوں میں لوگوں کے

وجود کو دھاکوں سے پرزے پرزے کر دینے والے

اگر کسی مکافات عمل کی گرفت میں نہ آئیں

تو داور محشر کا مذہب بہرہ ٹھہرے

یقیناً ہر فریاد کو پہنچنے والا اور سننے والا

یقیناً قیامت قائم فرمائے گا

اور الحمدللہ

ظالموں، متکبروں اور سکون سوزوں کی بڑی رسوائی ہوگی۔

وَإِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ﴿١٠﴾

"اور جب عمل کی کتابیں کھول دی جائیں گی"۔

صحف صحیفه کی جمع ہے۔ ابن فارس نے لکھا کہ اس لفظ کی اصل کشادگی اور وسیع ہونا ہے۔ روئے زمین کو صحیف کہتے ہیں۔ صحاف چھوٹے چھوٹے حوض۔ صحیفہ لکھا ہوا کاغذ عرف میں چہرہ اور ورق کو صحیفہ کہہ دیتے ہیں (37)۔ اس آیت میں "صحف" سے مراد اعمال نامے ہیں اور "نشر" سے مراد ان کا کھولا جانا ہے۔ قیامت کی شروعات اپنے وقوعی منظر کے ساتھ یوں ہی اجاگر ہوگی کہ وہ لوگ جنہوں نے اعمال انجام دیئے ہوں گے ان کے سامنے ان کو ظاہر کر دیا جائے گا اور یہ مرحلہ ان کے لئے شدید تکلیف دینے والا ہوگا۔

ضحاک نے یہ معنی کیا کہ ہر شخص کا اعمال نامہ اس کے ہاتھ میں دے دیا جائے گا۔ کسی کو دائیں ہاتھ میں اور کسی کو بائیں ہاتھ میں اعمال نامہ تھما دیا جائے گا (38)۔

گرفت کی دردناک صورت تو اعمال نامہ دیکھنے کے ساتھ ہی شروع ہو جائے گی۔ وہ برائیاں جنہیں انسان بصد اہتمام زندگی کے مخفی کونوں میں چھپائے ہوتا ہے ان کا کھل جانا شرمندگی اور خجالت سے پگھلا دیتا ہے۔ بروز قیامت جب انسان کے برے اعمال کھول دیئے

جائیں گے اس کا کیا حال ہوگا۔

اس کیفیت کو سورہ اسریٰ نے مزید کھولا ہے (39)۔

اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ؕ

"پڑھ اپنے نامہ اعمال کو آج کے دن اپنے احتساب کے لئے تو خود ہی کافی ہے"۔

یہاں اعمال نامے کو پڑھنے کا حکم دینا دو حکمتیں رکھتا ہے: نیکو کاروں کے لئے اس میں تشویق ہے اور خطا کاروں کے لئے اس میں عذاب، شدت، تکلیف اور رنج ہے۔

وَاِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ ۝

"اور جب آسمان کو ادھیڑ دیا جائے گا"۔

آسمان کے بے پردہ ہو جانے سے مراد کیا ہے؟

مفسرین کی آراء یہ ہیں:

امام فخر الدین رازی لکھتے ہیں (40):

"آسمان کا پردہ ہٹا دیا جائے گا اور جو کچھ اس کے اوپر ہے ظاہر ہو جائے گا یعنی جنت وغیرہ، فراء نے کہا کہ آسمان اپنی جگہ سے ہٹا کر لپیٹ دیا جائے گا"۔

خطیب شربینی لکھتے ہیں (41):

"آسمان کو اوپر والے آسمان سے جدا کیا جائے گا جیسے بکری یا اونٹ کی کھال کھینچ لی جاتی ہے"۔

زجاج نے کہا کہ چھت کی طرح آسمان کو اکھیڑ دیا جائے گا (42)۔

ابن کثیر نے مجاہد کے حوالے سے لکھا ہے (43):

"آسمان کو کھینچ لیا جائے گا"۔

سدی کا قول ہے کہ آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے گا (44)۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ "کشط" کھینچنے اور نوچنے کو کہتے ہیں، مراد یہ ہے کہ آسمان کو تہہ کر دیا جائے گا (45)۔

قیامت کا دن "یوم البروز" ہے۔ ہر چیز کو آشکار کر دینے والا دن۔ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ جو پردے عالم بالا پر پڑے ہوئے ہیں وہ سب ہٹا دیئے جائیں گے ہر چیز کی حقیقت کھل جائے گی۔ واللہ اعلم

(بقیہ مع حوالہ جات آئندہ شمارے میں)

☆☆☆

درس حدیث

اللہ کے بندوں کے درمیان اخوت اور اس کے تقاضے

عن ابی ہریرۃ ؓ عن النبی ﷺ قال ایاکم و الظن فان الظن اکذب الحدیث ولا تحسسوا ولا تجسسوا ولا تحاسدوا ولا تباغضوا ولا تدابروا وکونوا عباد اللہ اخوانا۔ (صحیح بخاری حدیث 6064 باب ما ینھی عن التحاسد والتدابر)

"حضرت ابو ہریرہ ؓ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا: "بدگمانی سے بچو، بے شک بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے، لوگوں کی پوشیدہ باتوں کے پیچھے نہ پڑو، ایک دوسرے سے حسد نہ کرو، ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو، ایک دوسرے سے کنارہ کشی نہ کرو اور اے اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ"۔

مفتی محمد صدیق ہزاروی

اس حدیث شریف میں پانچ باتوں سے منع کیا گیا اور اس کے بعد فرمایا:
''اے اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ''۔
اس ترتیب پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دو بھائیوں کے درمیان یہ پانچ باتیں نہیں ہوتیں لہٰذا جب تم آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ گے تو ان خرابیوں سے محفوظ ہو جاؤ گے اور بھائی بننے کے لئے اللہ تعالیٰ کے بندے کا ذکر فرمایا یعنی جب تم سب اللہ تعالیٰ کے بندے ہو تو تمہارے درمیان رشتۂ اخوت کی یہی بندگی ہے۔
اور قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:
انما المو منو ن اخوۃ (الحجرات:10)
''بے شک مومن ایک دوسرے کے بھائی ہیں''۔
اور یہ بات واضح ہے کہ جو شخص حقیقتاً بندۂ خدا بننا چاہتا ہے اس کے لئے دولت ایمان سے مالا مال ہونا ضروری ہے۔
لہٰذا نسبی، رضاعی اور سسرالی رشتوں کے حوالے سے اخوت میں وہ قوت نہیں جو بندگان خدا ہونے اور اہل ایمان ہونے کی بنیاد پر قائم اخوت میں ہے۔
اس حدیث سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ اخوت اور بھائی چارہ محض زبانی کلامی اور رسمی نہیں ہونا چاہئے بلکہ اس کا عملاً اظہار ضروری ہے اور وہ ان پانچ عیوب سے پاک ہوتا ہے، گو اس کے علاوہ بھی بہت سی باتیں اخوت اسلامیہ کے لئے ضروری ہیں مثلاً باہمی تعاون اور دکھ درد میں ایک دوسرے کی مدد کرنا وغیرہ وغیرہ۔
لفظ ''ظن'' کا معنی گمان کرنا ہے اور گمان (خیال) کرنا مطلقاً منع نہیں بلکہ بدگمانی منع ہے یعنی کسی کے بارے میں بلا تحقیق برا خیال رکھنا۔
حضرت خطابی وغیرہ فرماتے ہیں:
''اس سے مراد ظن پر عمل کو چھوڑنا مراد نہیں جس پر عام طور پر احکام کا دار و مدار ہے بلکہ اس سے مراد اس ظن کی تحقیق کو ترک کرنا ہے جس کی وجہ سے اس شخص کو نقصان پہنچتا ہے جس کے بارے میں گمان کیا گیا'' (فتح الباری 590/10)۔
امام قرطبی فرماتے ہیں:
المرا د با لظن هنا التهمة التي لا سبب لها كما يتهم الرجل بالفاحشة من غير ان يظهر عليه ما يقتضيها ۔۔۔ (ایضاً)
''اس جگہ ظن سے مراد وہ تہمت ہے جس کا کوئی سبب نہ ہو جیسے کسی آدمی پر کسی بے حیائی کے کام کی تہمت لگائی جائے اور اس پر کوئی ایسی بات (علامت) ظاہر نہ ہو جو اس بے حیائی کا تقاضا کرتی ہے''۔
گویا کسی شخص پر ناجائز الزام لگانا اور اس کی عزت نفس کو مجروح کرنا بدگمانی ہے اس سے بچنا لازم ہے۔
اس عمل کی خرابی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے اسے سب سے جھوٹی بات قرار دیا۔
تحسس اور تجسس:
پہلا کلمہ ''حا'' کے ساتھ اور دوسرا ''جیم'' کے ساتھ ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کے عیبوں کے پیچھے نہ پڑو اور نہ ان کے بارے میں بحث و مباحثہ کرو۔
جس طرح قرآن مجید میں ہے حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا:
اذهبو ا فتحسسو امن یو سف و اخیه (یوسف:87)
''جاؤ اور حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائی''۔
بعض حضرات فرماتے ہیں تحسس اور تجسس دونوں ہم معنیٰ ہیں اس صورت میں دوسرا لفظ تاکید کے لئے لایا ہے اور کچھ حضرات نے فرمایا جب ''جیم'' کے ساتھ (تجسس) ہو تو اس سے مراد لوگوں کی پردے کی باتوں کے بارے میں بحث کرنا ہے اور ''حاء'' کے ساتھ (تحسس) کا معنیٰ لوگوں کی بات چوری چھپے کان لگا کر سننا ہے۔
گویا مسلمانوں کو اس بات سے بھی منع کیا گیا کہ وہ لوگوں کے گھروں کے معاملات اور پوشیدہ باتوں کے بارے میں بحث کریں اور اس بات سے بھی کہ وہ لوگوں کی باتیں چوری چھپے سنیں حالانکہ وہ ان باتوں کو عام لوگوں سے مخفی رکھنا چاہتے ہیں۔

لاتحاسدوا۔۔۔تحاسد کا معنیٰ ایک دوسرے سے حسد کرنا ہے۔ایک طرف سے ہوتو حسد ہے اور دونوں طرف سے ہوتا ہے تحاسد کہتے ہیں۔

حسد کی تعریف یوں کی گئی:

الحسد تمنی الشخص زوال النعمة عن مستحق لها اعم من ان یسعی فی ذلک اولا

''کسی شخص کا کسی ایسے آدمی سے نعمت کے زوال کی تمنا کرنا جو اس نعمت کا مستحق ہے چاہے وہ شخص اس نعمت کے زوال کے لئے کوشش کرے یا نہ،اسے حسد کہتے ہیں''۔(فتح الباری 591/10)

مطلب یہ ہوا کہ جب کسی شخص کو اللہ تعالیٰ نے کوئی نعمت عطا فرمائی اور ظاہر ہے وہ اس کا مستحق بھی ہے تو کسی دوسرے شخص کے ذہن میں یہ تمنا پیدا ہو کہ یہ نعمت اس شخص سے چلی جائے اسے حسد کہتے ہیں چونکہ ایسا شخص اپنے مسلمان بھائی سے بغض رکھتا ہے اور اسے نعمت خداوندی سے محروم دیکھنا چاہتا ہے،اس لئے اس کا یہ عمل ناپسندیدہ ہے۔

حسد کے مقابلے میں رشک قابل تعریف ہے کیونکہ رشک میں انسان کسی اچھی خصلت کو جب کسی شخص میں دیکھتا ہے تو وہ چاہتا ہے کہ وہ بھی اس سے موصوف ہو جائے لیکن دوسرے آدمی سے اس کے زوال کا متمنی نہیں ہوتا صرف اپنے لئے تمنا کرتا ہے۔

ولا تباغضوا۔۔۔یہ لفظ بغض سے بنا ہے جس کا معنیٰ نفرت کرنا ہے۔مسلمان دوسرے مسلمان سے نفرت نہیں کرتا البتہ کوئی شرعی وجہ ہو تو وہ بغض اللہ تعالیٰ کی خاطر ہوگا اور اسی کے بارے میں ہمیں تعلیم دی گئی ہے کہ کسی سے محبت کرو تو اللہ تعالیٰ کے لئے اور کسی سے بغض رکھو تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کے لئے۔

مقصد یہ ہے کہ جن لوگوں کا یا جن چیزوں کا اللہ تعالیٰ سے تعلق ہو ان سے محبت کی جائے اور یہ محبت رضائے الٰہی کی خاطر ہوگی مثلاً انبیاء کرام اور رسل عظام علیہم السلام سے محبت،صحابہ کرام اور اہل بیت اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین سے محبت،اولیاء کرام اور صوفیاء عظام سے محبت،قرآن مجید اور اسلام سے محبت وغیرہ وغیرہ۔اسی طرح کافروں اور دشمنان اسلام،گستاخان رسول کریم،صحابہ کرام اور اہل بیت کے بے ادبوں اور اولیاء کرام سے عداوت رکھنے والوں سے نفرت کرنا عین ایمان ہے۔

یہاں جس بغض سے منع کیا گیا وہ شرعی نہیں بلکہ محض ذاتی خواہشات کی وجہ سے ہے اس لئے یہ ممنوع ہے۔

ولا تدابروا۔۔۔تدابر کا معنیٰ ایک دوسرے سے پیٹھ پھیرنا اور اعراض کرنا ہے یعنی ایک دوسرے سے میل جول نہ رکھنا اور جب آمنا سامنا ہو تو ایک دوسرے سے پیٹھ پھیرنا یہ تدابر ہے جس سے منع کیا گیا کیونکہ یہ کسی بندۂ خدا کی شان نہیں ہے اور نہ ہی یہ عمل اسے زیب دیتا ہے بلکہ مسلمان ایک دوسرے سے خندہ پیشانی سے پیش آتے اور رسول کریم ﷺ نے یہی تعلیم دی حتیٰ کہ جب کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی سے کشادہ روئی سے پیش آتا ہے تو اسے صدقہ کا ثواب ملتا ہے۔

حضرت عیاض ؒ سے منقول ہے،فرماتے ہیں:

اس کا مطلب یہ ہے "**لاتجادلوا ولکن تعاونوا**"آپس میں جھگڑا نہ کرو بلکہ ایک دوسرے سے تعاون کرو۔

اُمت مسلمہ کی کامیابی کا راز اسی بات میں مضمر ہے کہ وہ ذاتی مفادات اور ذاتی خواہشات پر دین کو مقدم کریں۔دوستی ہو یا دشمنی،محبت ہو یا نفرت اسلامی اخوت کو ہمیشہ پیش نظر رکھیں۔محبت اور دشمنی کی بنیاد جب اخوت اسلامی ہوگی تو باہمی نفرتیں دم توڑ جائیں گی اور پُر امن معاشرہ تشکیل پائے گا لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ ظاہر و باطن میں اختلاف نہ ہو قلبی کدورتوں کا ازالہ بھی ضروری ہے ورنہ نفاق کی صورت پیدا ہوگی جو زیادہ خطرناک ہے۔اللہ تعالیٰ ہمیں اس حدیث شریف میں دی گئی تعلیم پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

☆☆☆

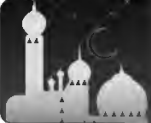

حقیقتِ صوم

محمد رضوان انجم

کتاب انقلاب قرآن مجید کے مطابق کامیاب انسان وہ ہے۔۔۔۔۔۔۔جو تقویٰ کی دولت سے مالا مال ہو۔۔۔۔۔۔۔یاد خدا میں مستغرق ہو۔۔۔۔۔۔اتباع رسول اس کی زندگی کا شعار ہو۔۔۔۔۔۔مخلوق کے لئے رحمت کا مظہر ہو۔۔۔۔۔۔حاجت مندوں کو اپنے رزق حلال میں شریک کرنے والا ہو۔۔۔۔۔۔ضرورت مندوں کے مسائل حل کرنے میں کوشاں رہنے والا ہو۔۔۔۔۔۔چھوٹوں پر شفقت اور بڑوں کی توقیر کرنا اس کی عادت ہو۔۔۔۔۔۔اپنے ہاتھوں، پاؤں اور زبان سے کسی کو تکلیف نہ دیتا ہو۔۔۔۔۔۔یتیموں کی پرورش کرتا ہو، بیواؤں اور مسکینوں کی اعانت کرتا ہو۔۔۔۔۔۔دل اس کا نرم ہو، گفتار اس کی شیریں ہو۔۔۔۔۔۔کردار اس کا رشکِ ملائکہ ہو، شخصیت اس کی نورِ خدا کی جھلک ہو۔۔۔۔۔۔علم اس کا فیض بار ہو۔۔۔۔۔۔غریب نوازی اس کی خُو ہو۔۔۔۔۔۔اور ایثار و قربانی اس کا شوق ہو

ہستی سے تیری رنگ و بو سب کے لئے
طاعت میں ہے تیری آبرو سب کے لئے
ہیں تیرے سارے سہارے کمزور
سب اپنے لئے اور تو سب کے لئے

ایسا بننے کے لئے فرقان حمید نے وہ رہنما اصول بھی بتائے ہیں، جو آدمیت کی معراج کے یقینی ضامن ہیں۔۔۔۔۔۔ان پر چل کر کے نہ صرف قرب الٰہی کی نعمت حاصل کی جاسکتی ہے بلکہ فرد کی ذات سے لے کر پورے معاشرے تک کو امن و آشتی اور فرحت و سرور کی خیرات بانٹی جاسکتی ہے۔۔۔۔۔۔روزہ جیسی عظمت مآب عبادت بھی ان احکام میں سے ایک ہے۔ جس کا حکم دیتے ہوئے اللہ رب العلمین نے اس کا فائدہ اور اس کی حکمت کو بھی بیان فرمادیا۔ ارشاد باری ہے:

یا یھا الذین امنو ا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون o (البقرۃ:183)

''اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کردیئے گئے ہیں جیسے کہ فرض کیے گئے تم سے پہلے لوگوں پر ان کی فرضیت تمہیں پرہیزگار بنانے کے لئے ہے''۔

روزہ اس لئے فرض کیا تاکہ خوف وخشیت الٰہی حاصل ہو۔۔۔۔۔۔بخل کا خاتمہ ہو۔۔۔۔۔۔حسد و رقابت کی جڑیں کٹ جائیں۔۔۔۔۔۔بغض و عداوت کی اسباب کا قلع قمع ہو۔۔۔۔۔۔باہمی پیار و محبت کے جذبات پروان چڑھیں۔۔۔۔۔۔دوسروں کی بھوک کا احساس پیدا ہو۔۔۔۔۔۔خود غرضی اور حرص عنقا ہو۔۔۔۔۔۔اور سوسائٹی میں باہمی تعاون کی فضا قائم ہو۔

نغمہ سرمدی اور کتاب مبین نے اس عظیم عبادت کے لئے جو لفظ استعمال کیا وہ ہے صیام جو جمع ہے صوم کی اور اس کلمہ کی لغوی تعبیرات کے حوالے سے ائمہ لغت اور ائمہ تفسیر نے درج ذیل توجیہات نقل کی ہیں:

☆ اصلہ فی اللغۃ الامساک عن الشیئ والترک لہ (تفسیر کبیر، رازی)

لغت میں اس کا اصل مفہوم یہ ہے کہ کسی کام کو کرنے سے رک جانا اور اس کو چھوڑ دینا۔

☆ و منہ قیل للصمت صوم لأنہ امساک عن الکلام (تفسیر کبیر، رازی، طبری)

خاموشی کو بھی صوم کہا جاتا ہے کیونکہ صمت میں گفتگو کرنے سے پرہیز کی جاتی ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: فقولی انی نذرت للرحمٰن صوما۔ (سورۃ مریم 20) تو کہو میں نے رحمٰن کے لئے روزہ (خاموشی) کی نذر مانی ہے۔

☆ ویقال بکرۃ صائمۃ اذا قامت فلم تدر (تفسیر کبیر رازی۔ مواھب الجلیل احمد بن احمد مختار شنقیطی)

وہ چرخی جو ٹھہر جائے اور گھومنا ترک کردے تو اس کو صائمہ کہا جاتا ہے۔

☆ قیل للریح الراکدہ صوم (تفسیر کبیر، معجم مفردات الفاظ القرآن)

ٹھہری ہوئی ہوا کو بھی صوم کہا جاتا ہے۔

☆ قیل لا ستواء النھار صوم تصور الوقوف الشمس فی کبدا لسماء (تفسیر کبیر، معجم)

نصف النہار (دوپہر کے وقت) کو بھی صوم کہا جاتا ہے اس لئے کہ اس وقت سورج آسمان کے وسط میں آکر ٹھہر جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ کہا جاتا ہے قام قائم الظھیرۃ و مصام الفرس یعنی دوپہر ہوگئی اور گھوڑوں کے ٹھہرنے کا وقت ہوگیا۔

☆ قیل خیل صیام ای ممسکۃ عن الجری۔ وقیل ممسکۃ عن الصھیل۔ (مواھب الجلیل)

وہ گھوڑا جو دوڑنا چھوڑ دے اور وہ جو ہنہنا نا بند کردے اس کے لئے بھی لفظ صیام استعمال ہوتا ہے۔

روزے کو بھی صوم اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں بندہ مومن عبادت وتقرب ہی کی نیت سے طلوع صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک اپنے آپ کو قصداً کھانے، پینے اور جماع کرنے سے روک کر رکھتا ہے، لیکن شریعت مطہرہ کا مقصود ومطلوب محض فاقے سے رہنا نہیں ہے، بلکہ اپنے وجود کو ہر اعتبار سے محرمات الٰہیہ سے روک کر رکھنا روزے کا مقصد ہے۔ تاجدار کائنات نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

عن ابی هریرة ﷺ قال قال رسول ﷺ لیس الصیام من الأکل والشرب انما الصیام من اللغو والرفث فان سابك احد او جهل علیك فقل انی صائم انی صائم۔ (الترغیب۔ مؤطا امام مالک۔ کنز العمال)

حضرت ابوہریرۃ ﷺ بتاتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: روزہ صرف کھانا اور پینا ترک کرنے کا نام نہیں ہے روزہ کا مقصد تو در حقیقت یہ ہے کہ بے مقصد اور شہوانی گفتگو سے پرہیز کرنا، سو اگر تجھے کوئی گالی دے یا کوئی تیرے معاملے میں جہالت پر اتر آئے تو کہہ دینا کہ میں روزے سے ہوں، میں روزے سے ہوں۔

مذکورہ صدر حدیث کی تشریح میں شارح بخاری علامہ بدرالدین عینی اور علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ رفث سے بچنے کا مفہوم یہ ہے کہ بے حیائی اور گندی گفتگو سے باز رہنا اسی طرح جماع (ہم بستری) اس کے دواعی واسباب اور ان سے متعلق کلام کرنے سے دور رہنا ۔۔۔۔۔ جہالت کے مقابلے میں یہ کہنا کہ میں روزے سے ہوں ۔۔۔۔۔ اس کا معنی یہ ہے کہ کوئی اگر غصے میں چیخے، چلائے، حماقتیں کرے اور مسخروں جیسی حرکتیں کرنے لگ جائے تو تم جواباً ایسا نہ کرو بلکہ سنجیدگی اور متانت کی تصویر بن جاؤ اور تحمل وبرداشت کا مظاہرہ کرو۔۔۔۔ کیونکہ روزہ کا حکم اسی لئے تو دیا گیا ہے کہ ایک ماہ صبر وتحمل اور برداشت کی مشق کی جائے تاکہ شخصیت میں یہ عادت راسخ ہو جائے اور انسان واقعی اشرف المخلوقات کا درجہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے۔

داتا علی ہجویری علیہ الرحمۃ نے کشف المحجوب میں رسول کریم ﷺ کا یہ فرمان نقل کیا ہے کہ جب تم روزہ رکھو تو تمہیں چاہیے کہ اپنے کان آنکھ زبان اور ہر عضو کو منہیات سے روک کر رکھو۔

حضرت عمر بن خطاب ﷺ کا قول ہے کہ روزہ صرف خورد ونوش سے ہاتھ کھینچ لینے کا نام نہیں بلکہ جھوٹ، بے مقصد گفتگو، یاوہ گوئی اور جھوٹی قسم کا ترک کرنا بھی روزہ میں داخل ہے۔

گویا روزہ نام ہے۔۔۔۔۔ ترک معصیت کا۔۔۔۔۔ اللہ کے عشق میں بھوک اور پیاس برداشت کرنے کا۔۔۔۔۔ جنسی ملاپ اور شہوانی رجحان سے بچنے کا۔۔۔۔۔ محبوب آقا نبی کریم ﷺ کے پیار میں صبر وتحمل کا مظاہرہ کرنے کا۔۔۔۔۔ کذب بیانی سے رکنے کا۔۔۔۔۔ آنکھوں کو نامحرم سے بچانے کا۔۔۔۔۔ ہاتھوں کو اذیت دینے سے روکنے کا۔۔۔۔۔ قدموں کو برائی کی طرف جانے سے باز رکھنے کا ۔۔۔۔۔ دل کو غیر کی محبت سے خالی کرنے کا۔۔۔۔۔ کردار کو اُجلا بنانے کا۔۔۔۔۔ وجود کو نفع مند بنانے کا۔۔۔۔۔ روح کو روشن ومنور کرنے کا۔۔۔۔۔ گناہوں کی مغفرت کروانے کا۔۔۔۔۔

جانِ کائنات مصطفیٰ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

عن ابی هریرة عن النبی ﷺ قال من صام رمضان ایمانا واحتساباً غفرله ما تقدم من ذنبه (صحیح مسلم)

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے یقین اور ثواب کی امید کے ساتھ روزہ رکھا تو اس کے پہلے سارے گناہوں کو بخش دیا جائے گا۔

علامہ بغوی نے فرمایا کہ خطابی فرماتے ہیں کہ ایمان اور احتساب کا مطلب ہے نیت وعزیمت یعنی روزے کی فرضیت کی تصدیق کرنا اور اس کے ثواب کو حاصل کرنے کا شوق رکھنا۔ روزے کو مشقت نہ سمجھنا اور نہ ہی دن کے لمبا ہونے پر گلے شکوے کرنا، بلکہ لمبے ایام کے روزوں پر زیادہ ثواب کے حصول کی خواہش رکھنا اور خوش ہونا۔

ایک موقع پر رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ جو مسلمان روزہ رکھے اور شام کے وقت یہ دعا پڑھے: **یا عظیم یا عظیم وانت الهی لا اله غیرك اغفرلی الذنب العظیم فانه لا یغفر الذنب الا العظیم** ۔ تو وہ اپنے گناہوں سے اس طرح پاک ہو جائے گا جس طرح کہ وہ اس دن پاک تھا جس دن اس کی ماں نے اسے جنا تھا۔

دیگر تمام عبادات میں ریاکاری کا امکان موجود ہوتا ہے، اس لئے کہ وہ دیکھی جاسکتی ہیں ان کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے، لیکن روزے کا تعلق صرف باطن کے ساتھ ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ اس میں دکھلاوا نہیں کیا جاسکتا۔ دوسرے انسانوں کو اس کی خبر نہیں ہوسکتی۔ یہ ایک مخفی عبادت ہے جس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہوتا ہے اسی لئے اس کا اجر وثواب خالق کائنات نے مقرر کیا ہے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

عن ابی هریرة ان رسول الله والذی نفسی بیده لخلوف فم الصائم اطیب عند الله من ریح لمسك انما

یذر شہوتہ و طعامہ وشرابہ من اجلی فالصیام لی وانا اجزی بہ (مؤطا امام مالک)
رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک مشک سے زیادہ پاکیزہ ہے کیونکہ اللہ فرماتا ہے کہ وہ اپنی خواہش نفس کھانے اور پینے کو صرف میری محبت کی وجہ سے چھوڑتا ہے سو روزہ میرے لئے ہے تو اس کی جزا بھی میں دوں گا یا میں خود ہی اس کی جزا بن جاتا ہوں۔
کشف المغطا کے مصنف نے علامہ ماذری کے حوالے سے اس حدیث کی شرح میں یہ بات بیان کی ہے کہ لخلوف فم الصائم اطیب عند اللہ کا مفہوم یہ ہے کہ جیسے اعلیٰ معیار کی پاکیزہ خوشبو ایک انسان کو دوسرے کے قریب کرتی ہے اس کے مقابلے میں ایک بندے کو اپنے خدا کے بہت زیادہ قریب کرنے والی نفیس ترین بو وہ ہے جو روزے کی وجہ سے اس کے منہ سے آتی ہے اور انا اجزی بہ کا معنی یہ ہے کہ جب بندہ خالصتاً اللہ کی رضا کے لئے فاقہ مست بن جاتا ہے تو اس کا خالق اس کا مالک اور اس کا الہٰ اس کے اس پیار کے جواب میں اسے خوشخبری دیتا ہے کہ اب وہ اس کے ساتھ ہے۔ اس کا ولی ہے۔ اس کا دوست ہے اور اس کا رفیق ہے۔
صائم مؤمن کے جنت کی ارجمندیاں ملاحظہ ہوں!
اس کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک پاکیزہ ۔۔۔۔۔ اس کی سعی مقبول ۔۔۔۔۔ اس کا عمل ماجور ۔۔۔۔۔ اس کی روح منور ۔۔۔۔۔ ایک روایت میں حضور ﷺ کے فرمان کے مطابق اس کا سونا عبادت ۔۔۔۔۔ اس کی خاموشی تسبیح ۔۔۔۔۔ اس کی دعائیں مستجاب ۔۔۔۔۔ اس کے گناہ معاف ۔۔۔۔۔ اس کے لئے جہنم سے دوری ۔۔۔۔۔ اور جنت کا قرب ۔۔۔۔۔
رحمت عالم ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا کہ:
عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ من صام یوما فی سبیل اللہ زحزح اللہ وجہہ عن النار بذلک الیوم سبعین خریفاً
جس نے ایک دن اللہ کی راہ میں روزہ رکھا تو اللہ رب العلمین اس کے چہرے کو اس دن کے بدلے 70 برس کے فاصلے پر جہنم سے دور ہٹا دیتا ہے۔ ایک اور حدیث پاک میں رحمت عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: جب قیامت کا دن ہو گا روزہ رکھنے والے اپنی قبروں سے باہر نکالے جائیں گے تو وہ اپنے روزے کی خوشبو کی وجہ سے پہچانے جائیں گے۔ (کنز العمال)
داتا علی ہجویری کشف المحجوب میں رقمطراز ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بھوکا پیٹ جناب ربانی میں ستر عابد عقل مندوں سے زیادہ پیارا ہے۔ حضرت جنید بغدادی کا مشہور مقولہ ہے کہ مجھے جو کچھ ملا بھوک اور روزے سے ملا۔ شیخ عبدالقادر جیلانی ؒ نے اپنی عمر کے سالہا سال روزے رکھ کر گزارے۔ ڈاکٹر حمید اللہ نے اپنے خطبات میں ایک یورپین غیر مسلم ڈاکٹر ژوفرائے کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ روزہ نہ صرف طبی نقطہ نگاہ سے انسانوں کے لئے مفید ہے بلکہ کائنات کی دیگر مخلوقات کے لئے بھی یہ حیات نو کا مژدہ سناتا ہے۔ آج کل ایسی عجیب اور پیچیدہ بیماریاں ظاہر ہو چکی ہیں کہ جن کا ابھی تک کوئی علاج دریافت نہیں ہوا ان کا علاج طویل یا مختصر فاقہ کشی سے کیا جا سکتا ہے۔
مفکر اسلام مفسر قرآن حضرت علامہ سید ریاض حسین شاہ نے اپنی کتاب سراغ زندگی میں روزہ کی حکمت کے حوالے سے لکھا کہ: اسلامی عبادات کے وہ طریقے جن سے راحت وسرور کی انتہائی منزلوں تک پہنچنا آسان ہو جاتا ہے ان میں سے ایک روزہ بھی ہے۔ جس سے روح اور انسانی ذات کی فکری صلاحیتیں رو بعروج ہوتی ہیں اور نفسانی غلاظتیں اور گندگیاں ۔۔۔۔۔ خباثتیں اور کثافتیں ۔۔۔۔۔ اور دنیاوی آلودگیاں اور آلائشیں ختم ہو جاتی ہیں روزہ کی ان ہی صفات کی وجہ سے قرآن مجید نے اسے تقویٰ پیدا کرنے کی بنیاد قرار دیا ہے۔
معاشرتی لحاظ سے روزہ کے اندر جو فوائد مضمر ہیں وہ ان گنت ہیں۔ ناداروں غریبوں محتاجوں مسکینوں اور یتیموں کی مدد کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ اپاہج اور بیمار انسانوں کی خدمت کا شوق ملتا ہے۔ مشکل حالات میں صبر کرنے کا حوصلہ نصیب ہوتا ہے بردباری کی مشق ہوتی ہے۔ درندگی ختم ہوتی ہے اور روح کو تقویت ملتی ہے جس کی بدولت معاشرے کے لوگوں کے لئے ایک فرد کا وجود باعث امن وآشتی بن جاتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:
عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ لکل شئ زکاۃ وزکاۃ الجسد الصوم والصیام نصف الصبر (ابن ماجہ)
حضرت ابو ہریرہ ؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر چیز کی گندگی دور کرنے والی کوئی چیز ہوتی ہے اور جسم کی گندگی کو دور کرنے والا روزہ ہے اور روزہ آدھا صبر ہے۔ ایک اور موقع پر فرمایا:
الصیام جنۃ من النار کجنۃ احد کم من القتال (ترغیب)

جس طرح لڑائی میں تمہارے پاس ڈھال ہوتی ہے جو دشمن کے حملوں سے تمہیں بچاتی ہے اسی طرح یہ روزہ ایسی ڈھال ہے جو جہنم سے بچانے والی ہے۔

اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ روزہ ایسے کام کرنے سے روکتا ہے جو آتش دوزخ میں لے جانے والے ہوتے ہیں۔روزے صرف امت محمدی ﷺ پر ہی لازم نہیں کیے گئے بلکہ طبری کی روایت کے مطابق آدم علیہ السلام سے لے کر آقا مولی نبی کریم ﷺ تک تمام پیغمبروں کی شریعتوں میں روزے فرض کیے گئے۔یہودیوں اور عیسائیوں پر ماہِ رمضان کے روزے فرض کیے گئے۔بعد میں انہوں نے خود رد و بدل کرتے ہوئے سرما اور گرما کے درمیانی موسم میں روزے رکھنے پر اتفاق کر لیا اس لئے کہ کبھی رمضان بہت گرمیوں میں آتا اور کبھی بہت سردی میں تو یہ بات ان پر بہت بھاری پڑی۔اس لئے انہوں نے حکم خداوندی میں ہی تغیر و تبدل کر ڈالا۔اس کے کفارے کے طور پر 20 روزے اضافی رکھنا شروع کر دیئے اس طرح اب تک وہ 50 روزے رکھتے آرہے ہیں۔

قدیم مصری، یونانی، رومن اور ہندو سب روزے رکھتے تھے۔طریقہ مختلف تھا اور کیفیت جدا تھی۔رسول کریم ﷺ کی زندگی میں ہر ماہ کے قدر 3 روزے ایامِ بیض کے رکھا کرتے تھے، کیونکہ قتادہ کے قول کے مطابق اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے روزے اسی طرح فرض کیے گئے تھے پھر جب آپ ﷺ نے مدینہ طیبہ ہجرت فرمائی تو رمضان المبارک کے پورے مہینے کے روزے فرض کر دیئے گئے اور مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی لیکن اوائل میں روزہ طویل تھا۔ایک عشاء سے دوسری عشاء تک یعنی رات میں بھی کھانے، پینے اور جماع سے رکنے کی پابندی تھی لیکن بشری تقاضوں کے تحت بعض صحابہ کرام کے لئے اس پر عمل کرنا مشکل ہو گیا اور وہ اپنی بیویوں سے جنسی میل ملاپ کر بیٹھے۔اللہ رب العلمین نے اپنے بندوں کی آسانی کے لئے قدیم حکم کو منسوخ فرما کر نیا حکم دیا جس میں رات کی پابندی کو ختم فرما دیا اور لازم کیا کہ صرف طلوعِ فجر سے غروبِ آفتاب تک روزہ رکھو۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

احل لکم لیلۃ الصیام الرفث الی نسائکم (البقرۃ:187)

تمہارے لئے حلال ہوا روزوں کی راتوں میں اپنی عورتوں سے جماع وغیرہ۔

جہاں خالقِ کائنات نے روزہ رکھنے والوں کے لئے اجر کا وعدہ فرمایا ہے، وہاں اس نے نہ رکھنے والوں کے لئے سزا بھی مقرر فرمائی ہے۔

حضرت ابوامامہ باہلی ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میں سو رہا تھا کہ دو آدمی آئے اور انہوں نے میرا شانہ پکڑا اور مجھے ایک سخت دشوار گزار پہاڑ کے پاس لے گئے اور مجھے اس پہاڑ پر چڑھنے کے لئے کہا تو میں نے انہیں بتایا کہ میں اس پر نہیں چڑھ سکتا۔ان دونوں نے کہا کہ ہم آپ ﷺ کے لئے آسان بنا دیں گے چڑھیں، چنانچہ میں چڑھ گیا اور جب پہاڑ کی چوٹی پر پہنچا تو میں نے وہاں کچھ شدید قسم کی چیخیں سنیں تو میں نے پوچھا کہ یہ کیا آوازیں آ رہی ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ یہ اہل جہنم کی چیخیں ہیں پھر مجھے آگے لے جایا گیا تو کچھ ایسے لوگوں کو میں نے دیکھا جو اُلٹے لٹکا دیئے گئے ہیں ان کے جبڑے پھاڑ دیئے گئے ہیں اور ان سے خون بہہ رہا ہے۔تو میں نے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ تو بتایا گیا کہ یہ روزہ خور لوگ ہیں۔یہ رمضان کے مہینے میں روزہ افطار ہونے سے قبل کھاتے پیتے تھے۔

روزہ نہ رکھنے والے نہ صرف اللہ رب العلمین اور رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کے مرتکب ہوتے ہیں بلکہ وہ اپنے آپ کو بہت زیادہ جسمانی و روحانی فیوض و برکات سے بھی محروم کر لیتے ہیں۔ایسے لوگوں کو چاہیے کہ وہ یہ تو سوچ لیا کریں کہ اس عارضی اور فانی حیاتِ مستعار کے بعد جب قبر و آخرت میں ان کا احتساب ہوگا اور انہیں خالقِ کائنات کی بارگاہ میں پیش کیا جائے گا تو وہ کیا کہیں گے۔۔۔۔۔کیا بولیں گے۔۔۔۔۔اور کیا جواب دیں گے۔

اللہ رب العلمین سے دعا ہے کہ وہ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔خیر کی طرف رغبت پیدا کرے۔صوم و صلوٰۃ کی پابندی نصیب فرمائے۔ اپنے برگزیدہ بندوں میں شامل فرمائے۔حلال کمانے اور حلال کھانے کی توفیق ارزاں فرمائے۔اپنی یاد کا نور مرحمت فرمائے۔تلاوت قرآن کا ذوق عطا فرمائے۔اپنے پیارے حبیب ﷺ کا عشق عنایت فرمائے اور اطاعت کے زیور سے آراستہ فرمائے۔

آمین۔ثم آمین۔بجاہ سید المرسلین ﷺ۔

☆☆☆

سیدۃ نساء العلمین

فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا

ڈاکٹر ظفر اقبال نوری

سیدۃ نساء العلمین کا وصال 3۔ رمضان المبارک کو ہوا اور جن کے بے مثل اور بے مثال، رؤف ورحیم والد کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی بدولت اہل ایمان رمضان وقرآن کی برکات سے مستفیض ہوئے۔ وہ خوش خُو، پاکیزہ روح تقدس مآب ہستی، خواتین جہاں کی سردار، جگر گوشۂ مصطفیٰ ﷺ سیدہ فاطمہ الزہرا سلام اللہ علیہا ہیں۔

آپ رضی اللہ عنہا رسول رحمت ﷺ کی چار صاحبزادیوں میں سے عمر میں سب سے چھوٹی مگر درجات، شرف اور سعادت وبرکت میں سب پر فضیلت رکھنے والی ہیں۔ بڑی صاحبزادیاں ام المومنین سیدتنا خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بطن مبارک سے بعثت نبوی سے پہلے پیدا ہوئیں اور سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی ولادت اعلان نبوت کے بعد ہوئی۔ گویا آپ ﷺ نے کاشانہ نبوی میں نزول قرآن کے انوار وتجلیات سے جگمگاتے ماحول میں آنکھ کھولی۔ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا جیسی پیکر اخلاص، مجسمۂ احساس، سرچشمہ وفا، فدائے رسول ذات کی شفقتوں بھری گود میں اور رسول رحمت ﷺ کی محبت ورحمت برساتی نگاہوں میں پرورش پائی۔ والدین کریمین کی خدمت سے چمکتے دنوں اور تلاوت قرآن اور سجود ونیاز سے مہکتے رتجگوں کے ساتھ شباب کو شرف بخشا۔ کلیوں اور شبنم کی پاکیزگی کو شرما دینے والی مبارک حیات جب ۱۵ سال اور ساڑھے پانچ ماہ کو پہنچی تو والدِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اس مخدومۂ کائنات کو مولائے کائنات حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کے نکاح میں دیا اور نہایت مختصر سا جہیز دے کر امت کے غربا اور بے نواؤں کی لاج بھی رکھی اور سادگی کا درس بھی دیا۔ بلاشبہ وہ حضور ﷺ کی نورِ نظر، لخت جگر اور عکس جمال وکمال تھیں۔ اپنی صورت وسیرت میں وہ اپنے والد کریم کی تصویر تھیں۔

ایک موقعہ پر ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: کہ میں نے بات چیت کے انداز اور کلام وگفتگو میں فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر کسی کو رسول اللہ ﷺ سے مشابہ نہیں دیکھا۔ (بحوالہ استعیاب فی معرفۃ الاصحاب) ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی فرماتی ہیں میں نے فاطمہ سے بڑھ کر کسی کو سچ بولنے والا نہیں دیکھا۔ ہاں وہی ہوسکتا ہے جو نبی ﷺ کا جایا ہو (سیرۃ رحمۃ اللعالمین: سلمان منصور پوری)۔ ایک اور روایت میں یوں فرمایا کہ میں نے کسی کو نہیں دیکھا جو بیٹھنے اٹھنے، چلنے پھرنے، حسن خلق اور گفتگو میں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ بنت رسول سے زیادہ مشابہ ہو اور وہ بھلا کیونکر خلق وجمال میں عکس جمالِ مصطفیٰ ﷺ نہ ہوتیں کہ خود سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا: ''فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے، جس سے اس کو اذیت پہنچتی ہے اس سے مجھے بھی اذیت پہنچتی ہے۔ جس نے اس کو رنج دیا اس نے مجھے رنج دیا''۔ بارگاہِ نبوت میں ان کی محبوبیت کا کیا عالم تھا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہی کی روایت سے یہ منظر کھلتا ہے کہ صحابی رسول ﷺ جمیع بن عمیر رضی اللہ عنہ اپنی پھوپھی کے ساتھ ام المومنین رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کو سب سے زیادہ پیارا کون تھا۔ ام المومنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا ''فاطمہ'' اور پھر پوچھا گیا کہ مردوں میں سے کون سب سے زیادہ محبوبِ رسول تھا تو جواب میں فرمایا شوہرِ فاطمہ یعنی حضرت مولا علی کرم اللہ وجھہ الکریم۔ یہی وجہ ہے کہ جب تک سیدۃ النسا فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا حیات رہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں کیا۔

ارباب سیر لکھتے ہیں کہ حضور نبی مکرم ﷺ کا زندگی بھر معمول رہا کہ جب کسی غزوہ یا سفر سے واپس تشریف لاتے تو مسجد میں دو رکعت نماز ادا فرماتے اور پھر سب سے پہلے حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے جاتے۔ اپنی لخت جگر کو ملاقات سے سرفراز فرماتے اور پھر بعد میں اپنی ازواج مطہرات سے ملاقات فرماتے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب بھی کسی سفر پر روانہ ہونے لگتے تو آخری جو کام کرتے وہ یہ ہوتا کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ملتے اور جب سفر سے واپس آتے تو پہلا کام یہ ہوتا کہ جا کر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دیکھتے۔

حضرت سیدۃ نساء العلمین سلام اللہ علیہا نے بھی زندگی بھر اپنے والدِ مکرم اور پروردگار کے رسول معظم ﷺ کی رضا، خوشنودی اور پسند وناپسند کو ہمیشہ حرزِ جان بنائے رکھا۔ انہیں ہر وہ شئی اور ہر وہ بات محبوب تھی جو ان کے والد کریم کو پسند تھی۔ جس کام کے بارے میں انہیں ذرہ بھر بھی محسوس ہوتا کہ رسول اللہ ﷺ کو وہ ناپسند ہے تو فوراً اسے ترک فرما دیتیں۔ غزوہ تبوک سے واپسی پر حامی بیکساں مونس غریباں ﷺ جب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر دروازے پر منقش پردہ دیکھ کر واپس لوٹ گئے تو بنت رسول پریشان ہوگئیں۔ فوراً سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو بلایا اور مسجد بھجوایا کہ جا کر رسول اللہ ﷺ سے پوچھیں کہ وہ واپس کیوں لوٹ گئے۔ جب سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے واپس آکر وجہ بتائی تو اپنے والدِ مہربان اور اپنے رب کے رسول گرامی ﷺ کے حکم پر فدا ہو جانے والی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فوراً وہ پرتکلف پردہ ہٹا دیا۔ نئے کپڑے بدل کر پرانی پوشاک پہن لی اور پیوند لگی چادر اوڑھ لی۔ جب رسول اکرم ﷺ کو اطلاع ملی تو بہت خوش ہوئے، ملاقات کے لئے تشریف لائے اور فرمایا فاطمہ! اسی طرح رہا کرو میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں۔ (صحیح بخاری، ابی داؤد) ایک اور روایت میں بھی اس مخدومۂ کائنات کے

پیکر تسلیم و رضا ہونے کی خبر ملتی ہے۔

آپ سارے کام اپنے ہاتھ سے کرتی تھیں۔ چکی سے آٹا پیستیں اور مشکیزے سے پانی لاتی تھیں جس سے آپ کے ہاتھوں پر نشان پڑ گئے تھے۔ ایک دفعہ جب مال غنیمت آیا اور حضور سرکار دو عالم ﷺ نے انصار و مہاجرین میں درہم و دینار کے ساتھ خادم اور کنیزیں بھی تقسیم فرمائیں تو حضرت علی ؓ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بھیجا کہ وہ بھی جا کر رسول اللہ ﷺ سے ایک خدمت گزار کی درخواست کریں۔ وہ تشریف لے گئیں مگر لوگوں کا ہجوم دیکھ کر واپس آ گئیں۔ بعد میں سرکار دو عالم ﷺ خود گھر میں تشریف لائے اور اپنی پیاری بیٹی سے آنے کی وجہ پوچھی مگر وہ فرط ادب سے خاموش رہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے مدعا بیان کیا کہ چکی پیستے پیستے اور پانی لاتے لاتے ان کے ہاتھوں اور گردن پر نشانات پڑ گئے ہیں۔ میں نے انھیں آپ کے پاس ایک خادم لینے کے لئے بھیجا تھا۔ لوگوں میں خزانے اور خادم لٹانے والے سرور عالم ﷺ نے اپنی بیٹی سے فرمایا "اے فاطمہ تقوی اختیار کرو، فرائض الٰہی ادا کرتی رہو، اپنے خاندان کے معمولات کوا پنا دستور بنائے رکھو اور جب بستر پر جانے لگو تو 33 بار سبحان اللہ، 33 بار الحمد للہ اور 34 بار اللہ اکبر پڑھ لیا کرو یہ عمل تیرے لئے خادم سے بہتر ہے۔ خاتون جنت نے عرض کی میں خدا سے اور رسول خدا سے اسی حال میں خوش ہوں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے مرض وصال میں حضور ﷺ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور ان کے کان میں کچھ فرمایا تو وہ رو پڑیں اور دوبارہ بلا کر سرگوشی فرمائی تو وہ ہنس پڑیں، بعد میں پوچھنے پر سیدہ کائنات رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے بتایا تھا کہ اب میں وصال کر جاؤں گا تو میں رو پڑی اور جب انہوں نے دوبارہ بلایا اور فرمایا کہ تم خاندان کے سب افراد سے پہلے مجھے ملو گی تو میں خوش ہو گئی۔ حضور ﷺ کے ارشاد کے مطابق حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا نے وصال النبی کے چھ ماہ بعد وفات پائی۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اس سند سے جو حضرت امام جعفر صادق ؓ سے شروع ہوتی ہے اور حضرت امام زین العابدین ؓ پر ختم ہوتی ہے، روایت فرماتے ہیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال مغرب وعشاء کے درمیان ہوا۔ وصال کی خبر سن کر حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت زبیر، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم تشریف لائے۔ جب جنازہ پڑھنے کے لئے لایا گیا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے حضرت ابوبکر ؓ سے کہا کہ آپ نماز پڑھائیے۔ انہوں نے فرمایا کہ کیا آپ کی موجودگی میں؟ حضرت علی ؓ نے جواب دیا ہاں آگے بڑھیے! واللہ آپ کے سوا کوئی نماز نہیں پڑھائے گا۔ حضرت ابوبکر ؓ نے نماز پڑھائی اور رات ہی میں تدفین ہوئی (الطبقات الکبریٰ جلد 8 صفحہ 29 مطبوعہ دار صادر بیروت، بحوالہ المرتضیٰ سید ابوالحسن علی ندوی)۔

حب خدا، عشق رسول ﷺ، ایثار و وفا اور زہد و تقویٰ میں ڈوبی ہوئی مخدومہ کائنات سیدہ نساء العلمین رضی اللہ عنہا کی نورانی زندگی کو دیکھ کر ہی عاشق رسول ﷺ علامہ اقبال نے کہا تھا:

مزرع تسلیم را حاصل بتول
مادراں را اسوۂ کامل بتول

سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا تسلیم و رضا کی کھیتی کا حاصل اور ماؤں کے لئے اسوۂ کاملہ ہیں۔

آں ادب پروردۂ صبر و رضا
آسیا گردان و لب قرآں سرا

آپ رضی اللہ عنہا نے صبر و رضا کی ادب گاہ میں پرورش پائی تھی۔ ہاتھ چکی پیستے اور لبوں پر قرآن کی تلاوت ہوتی تھی۔

گریہ ہائے او ز بالیں بے نیاز
گوہر افشاندے بدامان نماز

آپ رضی اللہ عنہا کے آنسو کبھی تکیے پر نہ گرے یعنی تنگی حالات میں آنسو نہ بہائے، بلکہ دوران نماز موتیوں کی طرح آپ رضی اللہ عنہا کے آنسو ٹپکتے تھے۔

اشک او بر چید جبرئیل از زمیں
ہمچو شبنم ریخت بر عرش بریں

جبرئیل امین آپ رضی اللہ عنہا کے آنسو زمین سے سمیٹ لیتے اور عرش بریں پر شبنم کی طرح ٹپکاتے۔

رشتہ آئین حق زنجیر پاست

پاس فرمانِ جناب مصطفیٰ است
ورنہ گرد تربتش گردید مے
سجدہ ہا بر خاک او پاشیدمے

شریعت حقہ کے احکام میرے پاؤں کی زنجیر ہیں اور مجھے جناب مصطفیٰ ﷺ کے فرمان کا پاس ہے ورنہ میں سیدہ کائنات رضی اللہ عنہا کی تربت کا طواف کرتا اور اپنی پیشانی میں محفوظ سارے سجدے ان کی خاک تربت پہ نچھاور کر دیتا۔

اللہ کریم خواتین اسلام کو مخدومہ کائنات سیدہ فاطمہ الزہرا سلام اللہ علیہا کے نقش قدم پر چل کر نئی نسل کی تربیت کرنے کی توفیق عطا کرے، تا کہ وہ اسوۂ شبیری سے آگاہ ہو کر اسلام کا دفاع کر سکیں۔

☆☆☆

تحریکِ آزادی کے راہنما

مجاہد ملت مولانا عبدالحامد بدایونی رحمۃ اللہ علیہ

ڈاکٹر محمد صدیق خان قادری

مجاہد ملت مولانا شاہ محمد عبدالحامد قادری بدایونی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات جلیلہ کسی ایک شعبہ تک محدود نہ تھیں، بلکہ ان کی زندگی جہد مسلسل سے عبارت تھی۔ وہ نصف صدی سے زیادہ عرصہ تک برصغیر کی ان تمام قومی و ملی تحریکوں سے وابستہ رہے جو مسلمانوں کی سیاسی بیداری کو اپنا نصب العین بنائے ہوئے تھیں۔

مولانا عبدالحامد بدایونی نے تحریک پاکستان، تحریک تحفظ ختم نبوت، آزادی فلسطین و کشمیر اور اتحاد عالم اسلام کے سلسلے میں جو بے مثال تاریخی اور مجاہدانہ کردار ادا کیا ہے۔ اس کی وجہ سے ان کا نام تاریخ میں ہمیشہ زندہ رہے گا۔

مولانا بدایونی 1898ء میں مدینۃ الاولیاء، بدایوں (بھارت) کے ایک مقتدر علمی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد مولانا عبدالقیوم بدایونی ایک جید عالم اور معروف طبیب تھے۔ مولانا عبدالحامد بدایونی کی عمر ابھی صرف بیس یوم تھی کہ آپ کے والد دہلی سے پٹنہ جاتے ہوئے ریل کے حادثے کا شکار ہونے کے بعد ایک مذہبی جلسہ میں صلوٰۃ و سلام پڑھتے ہوئے انتقال کر گئے تھے۔ آپ کی والدہ نے حالات کا مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے دونوں بیٹوں کی تربیت و نگہداشت کی۔ اس وقت مولانا عبدالحامد بدایونی کی عمر صرف بارہ برس تھی۔

مولانا عبدالحامد بدایونی نے مولانا عبدالقادر بدایونی، مولانا محب احمد، مولانا مفتی محمد ابراہیم، مولانا مشتاق احمد کانپوری، مولانا واحد حسین اور مولانا عبدالسلام فلسفی سے تعلیم حاصل کی، پھر الٰہیات کی تکمیل اور قرأت کے شوق میں دو سال تک مدرسہ الٰہیہ کان پور میں مقیم رہے اور وہاں سے بدایوں آکر مدرسہ شمس العلوم کے نائب مہتمم مقرر ہوئے۔ تقریر، خطابت اور وعظ گوئی آپ کے خاندان کا ہمیشہ طرہ امتیاز رہا، چنانچہ مدرسہ شمس العلوم کے سالانہ جلسوں میں آپ کی تقاریر خصوصی اہمیت کی حامل ہوتی تھیں۔

مولانا عبدالحامد بدایونی نے 1914ء میں تحریک خلافت سے اپنی سیاسی زندگی کا آغاز کیا اور ملکی سیاست میں باقاعدہ عملی حصہ لینا شروع کر دیا۔ برصغیر میں انگریزوں کے داخلے اور قبضے کے وقت مولانا بدایونی کے ایک محترم بزرگ مولانا فیض احمد بدایونی نے علامہ فضل حق خیر آبادی شہید کے ساتھ مل کر انگریزوں کے خلاف کھلم کھلا تحریک شروع کی اور فتویٰ جاری کر دیا۔ تحریک خلافت کے زمانے میں مولانا عبدالباری فرنگی محلی نے رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہر اور شوکت علی کو پہلی بار لکھنؤ سے مولانا عبدالمقتدر بدایونی کی خدمت میں روانہ کیا۔ یہ دونوں بھائی بدایون تشریف لائے اور آستانہ عالیہ قادریہ کے کمروں میں ٹھہرائے گئے جہاں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی اور دیگر مشائخ قیام فرمایا کرتے تھے۔ مولانا عبدالمقتدر نے مولانا عبدالماجد بدایونی اور مولانا عبدالحامد بدایونی کو حکم دیا کہ علی برادران کی خاطر تواضع میں کمی نہ کی جائے۔ اس کے بعد اپنے اہل خاندان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ''علی برادران اسلام کے سچے اور مخلص مجاہدین ہیں جو انگریزوں کے خلاف صف آراء ہیں۔ میں اپنے خاندان کو عموماً اور مولانا حامد میاں اور مولانا ماجد میاں کو خصوصاً حکم دیتا ہوں کہ یہ دونوں انگریزوں کے خلاف تحریکات میں ان کا ہاتھ بٹائیں''۔

چنانچہ بدایونی برادران نے اپنے پیر و مرشد کے حکم کے مطابق ہندوستان کے ایک ایک گوشے میں پہنچ کر تحریک خلافت کو مستحکم اور مضبوط کیا۔ مولانا بدایونی آل انڈیا خلافت کانفرنس کے رکن اور ڈسٹرکٹ خلافت کمیٹی بدایوں کے جنرل سیکرٹری بھی رہے۔ آپ نے نہرو رپورٹ کی مخالفت میں مسلمانان ہند کی حمایت کرتے ہوئے عظیم الشان کانفرنسوں میں شرکت کی اور اس تحریک میں بھی مولانا حسرت موہانی، مولانا آزاد سبحانی اور مولانا عبدالماجد بدایونی کے ساتھ کارہائے نمایاں انجام دیے۔

تحریک خلافت کے بعد آغا خان کی صدارت میں مسلم کانفرنس کی بنیاد پڑی۔ مولانا بدایونی اس کانفرنس کے صف اول کے قائدین میں شامل تھے۔ اس کے بعد لندن میں گول میز کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس کی معرکۃ الآراء تقریر مولانا محمد علی جوہر کی تھی جو یادگار سمجھی جاتی ہے۔ اس تقریر کو مولانا بدایونی نے خلافت کمیٹی بدایوں کی طرف سے کتابی شکل میں شائع کرایا۔

رئیس الاحرار مولانا محمد علی کے انتقال کے بعد قائد اعظم نے مولانا شوکت علی اور نواب اسماعیل خان سے مشورے کے بعد دہلی میں ہندوستانی مسلمانوں کی مختلف جماعتوں کی دعوت کرنے کی تجویز پیش کی۔ مولانا بدایونی نے جمعیت علماء یوپی کے قائد کی حیثیت سے اس کانفرنس میں شرکت کی۔ علامہ بدایونی یوپی۔ سی پی بہار۔ اڑیسہ، بنگال، آسام، ممبئی، کراچی، سندھ، بلوچستان، پنجاب اور سرحد کے دور افتادہ مقامات پر قائد اعظم کی ہدایت پر مسلم لیگ کی کامیابی کے لئے سرگرم عمل رہے۔ صوبہ سرحد کے ریفرنڈم میں خان برادران کے مقابلے میں نمایاں کامیابی پر آپ کو فاتح سرحد کا خطاب دیا گیا۔

مولانا عبدالحامد بدایونی مسلم لیگ کانفرنس منعقدہ لکھنؤ 1937ء سے لے کر 1947ء تک مسلم لیگ اور قیام پاکستان کی تحریک میں سراپا مصروف رہے۔ مولانا بدایونی کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ مسلم لیگ کے اسٹیج سے مولانا کی تقریروں میں ہمیشہ یہ پہلو نمایاں رہتا کہ ہم ایسا

پاکستان بنانا چاہتے ہیں جہاں کتاب وسنت کے مطابق حکومت قائم کی جائے اور اسلامی وفلاحی معاشرہ قائم ہو۔

قائد اعظم اور لیاقت علی خان نے ایک وفد سعودی عرب روانہ کیا جس کا مقصد یہ تھا کہ حجاج کرام اور دنیائے عرب کو پاکستان اور مسلم لیگ کے موقف سے روشناس کرایا جائے اور حاجیوں کا ٹیکس ختم کرانے کے سلسلے میں جدو جہد کی جا سکے۔ اس وفد میں مبلغ اسلام مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی، مولانا عبدالحامد بدایونی اور سید ناطاہر سیف الدین کے نمائندے بھی شریک تھے۔ اس وفد نے سلطان بن سعود سے کامیاب مذاکرات کئے۔ سلطان ابن سعود نے وفد کے نقطہ نگاہ کو سننے کے بعد تسلیم کرلیا کہ حجاج پر ٹیکس لگانا ناجائز ہے۔ یہ اس وفد کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ مصر، عراق، شام اور انڈونیشیا کے مسلمان مسلم لیگ اور پاکستان کے موقف سے متعارف ہوگئے اور سلطان ابن سعود نے 400 روپے سے زیادہ کا حج ٹیکس بھی ختم کر دیا۔

آپ نے 1940ء میں اقبال پارک لاہور میں شرکت اور قرارداد پاکستان کے حق میں قائداعظم کی زیر صدارت تاریخی تقریر فرمائی۔ قیام پاکستان کی تحریک کو تیز تر کرنے کے لئے 1946ء میں آل انڈیا سنی کانفرنس (بنارس) منعقد ہوئی۔ یہ کانفرنس قیام پاکستان کے سلسلے میں سنگ میل ثابت ہوئی تحریک پاکستان کی راہ ہموار کرنے کے لئے اکابر علمائے اہل سنت کی جو کمیٹی تشکیل دی گئی تھی۔ علامہ بدایونی اس کمیٹی کے رکن بھی تھے۔

1945ء میں لیاقت علی خان نے (جو اس وقت آل انڈیا مسلم لیگ کے جنرل سیکرٹری تھے) مولانا بدایونی کو حیدرآباد دکن بھیجا تاکہ وہ کسی طرح نظام دکن میر عثمان خان اور قائداعظم کی ملاقات کے لئے راہ ہموار کریں، کیونکہ ان دونوں کے اختلافات ملت اسلامیہ کی جدوجہد پر اثر انداز ہو رہے تھے۔ نظام دکن مولانا بدایونی کی علمیت اور خطابت کے بڑے مداح تھے، اس لئے مولانا کی نظام دکن سے تاریخی بحث ہوئی۔ کافی بحث ومباحثہ کے بعد جب مولانا وہاں سے رخصت ہوئے تو نظام دکن قائداعظم سے ملاقات کے لئے راضی ہو چکے تھے۔

30۔اگست 1941ء کو لدھیانہ میں "پاکستان" کانفرنس منعقد ہوئی۔ جس کی صدارت مولانا بدایونی نے کی۔ اس موقع پر مولانا نے قیام پاکستان کے حق میں مدلل خطبہ دیا، جو بعد میں نظامی پریس بدایوں سے کتابی شکل میں شائع ہو کر مسلم لیگ کی تمام شاخوں کے ذریعے تقسیم کیا گیا۔

1946ء میں کوئٹہ میں آل انڈیا مسلم لیگ کانفرنس منعقد ہوئی جس میں سردار غلام محمد ترین اور قاضی عیسیٰ مرحوم کے علاوہ مولانا بدایونی نے بھی شرکت کی۔ اس کانفرنس کی صدارت نواب زادہ لیاقت علی خان نے کی۔

مولانا بدایونی نے اپنی زندگی قومی خدمت کے لئے وقف کر دی تھی وہ اپنے خاندان اور آرام وآسائش سے بے پرواہ ہو کر ایک عظیم مجاہد کی طرح ایثار وقربانی کو اپنا شعار سمجھتے تھے۔ وہ دنوں نہیں بلکہ مہینوں اہل خانہ سے دور رہ کر مسلم لیگ کے لئے سرگرم عمل رہے۔ مولانا مرحوم عید کی تقریبات بھی اپنے گھر پر نہیں منا سکتے تھے، کیونکہ بنگال کے مسلمانوں کی فرمائش پر ابوالکلام آزاد کی جگہ عیدگاہ کلکتہ میں نماز عیدالفطر پڑھانے کا فریضہ انجام دینا ہوتا تھا۔

قیام پاکستان کے بعد قائداعظم کی دعوت پر مولانا بدایونی آل انڈیا مسلم لیگ کانفرنس میں شرکت کے لئے کراچی آئے اور پھر قائد کے اصرار پر یہیں کے ہو رہے۔ یہاں وہ ملی استحکام اور اتحاد عالم اسلامی جیسے عظیم مقاصد کی تکمیل کے لئے اپنی زندگی کے آخری سانس تک مصروف رہے۔ مولانا بدایونی جس دن سے پاکستان آئے، اسی دن سے انہوں نے مہاجرین کی خدمت کا بیڑہ اٹھایا۔ کراچی کے ڈپٹی کمشنر اور ایڈمنسٹریٹر سید ہاشم رضا نے مہاجرین کے مسائل کو حل کرنے کے لئے ایک کمیٹی قائم کی۔ جس کا صدر مولانا بدایونی کو مقرر کیا گیا۔

یہ حالات کی ستم ظریفی ہے کہ جس شخص نے اپنی پوری زندگی مسلم لیگ اور پاکستان کے لئے وقف کر دی تھی۔ اس عظیم شخصیت کو چند خود غرض حکمرانوں نے اپنے ذاتی جذبے کے تحت کراچی میں سیفٹی ایکٹ کے تحت تین ماہ کے لئے گرفتار کرلیا۔ مولانا کو جیل کے اس کمرے میں رکھا گیا جہاں مولانا محمد علی جوہر کو نظر بند کیا گیا تھا۔ مولانا حسرت موہانی نے اس وقت اپنے دورہ پاکستان کے دوران کراچی جیل میں اپنے قدیم رفیق مولانا بدایونی سے ملاقات کی اور ان کی گرفتاری پر شدید احتجاج کیا۔ مولانا نے کراچی جیل میں قیدیوں کی تعلیم اور ان کی اخلاقی حالت بہتر بنانے میں اپنا بیشتر وقت صرف کیا اور جیل ہی میں جشن میلاد النبی ﷺ، ایام خلفائے راشدین، یوم حسین اور یوم سیدنا غوث الاعظم جیسی عظیم تقاریب منعقد کیں۔

قیام پاکستان کے بعد آپ جمعیت علما، پاکستان کراچی وسندھ کے صدر منتخب ہوئے اور غازی کشمیر علامہ ابوالحسنات قادری کی وفات کے بعد آپ کو مرکزی صدر منتخب کیا گیا۔ مولانا عبدالحامد بدایونی نے کراچی میں جشن عید میلاد النبی کو شایان شان طریقے سے منانے کا آغاز کیا

اور عظیم الشان جلسے اور کانفرنسیں منعقد کیں۔

علامہ سید ابوالحسنات قادری اور مولانا بدایونی کی زیر قیادت ایک وفد نوابزادہ لیاقت علی خان سے ملا اور ملک کے لئے اسلامی دستور کے متعلق قرارداد کے اعلان پر انہیں آمادہ کیا اور پاکستان کا نام "اسلامی جمہوریہ پاکستان" تجویز ہوا۔

کراچی میں 1951ء میں مختلف مکاتب فکر کے 33-جید علماء کا ایک عظیم اجتماع ہوا۔ جس میں متفقہ 22-نکات مرتب کئے گئے۔ اس اجلاس میں مولانا عبدالحامد بدایونی اور مفتی صاحب داد خان نے اپنی جماعت کی نمائندگی کی اور ان اہم نکات پر مشتمل اسلامی دستور کی ترتیب میں بھرپور حصہ لیا۔

علامہ بدایونی نے پاکستان میں ایک ایسے ادارے کے قیام کا منصوبہ تیار کیا جس میں علوم قدیمہ وجدیدہ کے ساتھ ساتھ عالمی زبانیں بھی سکھائی جائیں اور مذاہب عالم سے روشناس کرایا جائے اس مقصد کے لئے آپ نے مصر، ترکی، تیونس، انگلستان، الجزائر، سعودی عرب، کویت، عراق، ایران اور نائیجیریا کا دورہ کیا۔ وہاں مشاہیر عالم اسلام اور اساتذہ کرام سے ملاقاتوں کے علاوہ وہاں کی یونیورسٹیوں، کالجوں اور دینی مدارس میں نصاب تعلیم کا بخوبی مطالعہ کیا اور اس کے بعد کراچی میں "جامعہ تعلیمات اسلامیہ" قائم کیا۔

آپ نے عوامی جمہوریہ چین اور حکومت روس کی دعوت پر مولانا بدایونی نے ان ممالک کے سرکاری دورے کئے۔ ان دوروں میں قائد اہل سنت حضرت علامہ شاہ احمد نورانی بھی آپ کے ہمراہ تھے، جوان دنوں جمعیت علمائے پاکستان کے مرکزی ناظم اطلاعات تھے۔ آپ نے فلسطین کی آزادی کے لئے حضرت مفتی اعظم فلسطین کے دست راست کی حیثیت سے کام کیا۔ یہی وجہ ہے کہ شاہ فیصل مرحوم، مفتی اعظم فلسطین، صدر عبدالسلام عارف (عراق)، جمال عبدالناصر (مصر)، صدر حبیب بورقیبہ (تیونس)، سابق شہنشاہ ایران، وزرائے کویت و بحرین، شیخ محمد سرور الصبان سابق سیکرٹری جنرل رابطہ عالم اسلامی، ڈاکٹر محمد حتمی، سابق سفیر عراق شیخ عبدالقادر جیلانی مرحوم اور دیگر مشاہیر سے ان کے خصوصی تعلقات اور ذاتی مراسم تھے۔ مولانا مرحوم نے ان میں سے اکثر حضرات کو اپنے یہاں اجتماعات میں بھی مدعو فرمایا۔

1956ء کی پاک بھارت جنگ کے بعد مولانا بدایونی مرحوم کی قیادت میں ایک وفد آزاد کشمیر کے دورہ پر گیا اور مبلغ تین لاکھ روپے نقد، کپڑے اور دیگر سامان خورد ونوش مہاجرین میں تقسیم کیا اور صدر آزاد کشمیر کو گیارہ ہزار روپے کی تھیلی پیش کی۔ اس وفد میں مبلغ اسلام علامہ شاہ محمد عارف اللہ قادری، مولانا شفیع اوکاڑوی، مولانا جمیل احمد نعیمی، مولانا سید خلیل احمد قادری اور مولانا محسن فقیہہ بھی شریک تھے۔

1962ء کے آئین کے نفاذ کے بعد حکومت پاکستان نے آپ کو "اسلامی مشاورتی کونسل" کا رکن نامزد کیا۔ آپ مرکزی رویت ہلال کمیٹی کے سربراہ بھی رہے۔

مولانا بدایونی سچے صوفی مشرب مسلمان تھے۔ حضور سرور کائنات ﷺ کے روضہ پاک سے ان کا گہرا قلبی تعلق تھا۔ آپ نے بغداد شریف، کربلائے معلیٰ اور نجف اشرف میں بھی حاضری دی۔

آپ نے 22 مرتبہ فریضہ حج ادا کیا۔ آپ نے اپنے آخری حج کے موقع پر 1969ء میں پاسبان حرم شاہ فیصل کی دعوت پر ان کے محل میں ان سے تفصیلی ملاقات کی۔

مولانا بدایونی متعدد کتابوں کے مصنف بھی تھے جن میں مشرق کا ماضی وحال، مرقع کانگریس، انتخابات کے ضروری پہلو، مسئلہ ازدواج، دعوت عمل، مشیر الحجاج، اسلام کا زرعی نظام، اسلام کا معاشی نظام، فلسفہ عبادات اسلامی، تصحیح العقائد، کتاب وسنت غیروں کی نظر میں، حرمت سود، تاثرات دورہ روس، تاثرات دورہ چین، رپورٹ دورہ آزاد کشمیر کے علاوہ الجواب المشکور، العائلی قوانین عربی اور اسلامک پریرز، انگریزی تصانیف ہیں۔

مولانا بدایونی نے ریڈیو پاکستان سے کافی عرصہ تک قرآن حکیم کا درس بھی دیا۔ مولانا ایک شعلہ بیان خطیب ہونے کے ساتھ ساتھ ادبی ذوق بھی رکھتے تھے۔ مولانا نے "دیوان معروف" کا انتخاب شائع فرمایا۔ مولانا نے کئی نعتیں بھی کہی ہیں۔ مولانا کی یہ نعت آج بھی ریڈیو، ٹیلی ویژن اور مذہبی اجتماعات میں بڑی عقیدت ومحبت سے پڑھی اور سنی جاتی ہے۔

حقیقت میں وہ لطف زندگی پایا نہیں کرتے
جو یاد مصطفیٰ سے دل کو بہلایا نہیں کرتے

مولانا ایک سیماب صفت اور فولادی عزم وہمت کے مالک تھے۔ ان کی بلند ہمتی کا ثبوت یہ ہے کہ فالج کے حملے اور آنکھ کی تکلیف کے باوجود زندگی کے آخری سانس تک سرگرم رہے، یہاں تک کہ آپ پر فالج کا شدید حملہ ہوا اور آپ چند روز جناح ہسپتال کراچی میں زیر علاج

رہنے کے بعد 21۔ جولائی 1970ء کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ آپ کی نماز جنازہ میں غیر ملکی سفیروں، اعلیٰ حکام، علماء و مشائخ، مرکزی صوبائی، وزراء، اور صدر پاکستان کے نمائندوں نے بھی شرکت کی، نماز جنازہ حضرت سید مختار اشرف سجادہ نشین کچھوچھہ شریف نے پڑھائی اور وصیت کے مطابق آپ کو جامعہ تعلیمات اسلامیہ کراچی میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

مولانا بدایونی مرحوم کا شمار اہل سنت کے صف اول کے قائدین میں ہوتا ہے۔ اس کے باوجود آپ نوجوانوں خصوصاً طلباء پر بے حد شفقت اور ان کی حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔ راقم الحروف پر آپ بہت مہربان تھے۔ میرے پاس آپ کے دو مکاتیب، خطوط موجودہ محفوظ ہیں جو آپ نے میرے مختلف عریضوں کے جواب میں ارسال فرمائے تھے۔ مجھے جب بھی کوئی مشکل پیش ہوتی تو میں آپ کو لکھتا اور آپ میری بروقت راہنمائی فرماتے تھے۔

مولانا بدایونی ایک جید عالم، مستند مفتی، عظیم خطیب، منجھے ہوئے سیاست دان، نامور ادیب وشاعر اور عاشق رسول ﷺ تھے۔ ان کے دم سے قال اللہ اور قال الرسول کی محفلیں آباد تھیں۔

انہیں خراج عقیدت پیش کرنے کا سب سے بڑا طریقہ یہ ہے کہ ہم ان کے سلسلہ رشد و ہدایت کو جاری رکھیں، نیز حکومت اور عوام دونوں کا فرض ہے کہ ان کے قائم کردہ جامعہ تعلیمات اسلامی کی بھرپور سرپرستی کی جائے۔

☆☆☆

پیر طریقت رہبر شریعت

حضرت علامہ سید محمد سعید الحسن شاہ

سے ایک ملاقات

علماء و مشائخ کا انٹرویو کا سلسلہ قارئین کے بے حد سراہنے کی وجہ سے جاری و ساری ہے۔ ہر ماہ فلک اسلام کے کسی نجم کی زندگی کو اس لیے پیش کیا جاتا ہے کہ کس طرح دین اسلام کے خادم اپنی زندگیوں کو دین رسول کی خاطر قربان کرتے ہیں اور کن مصائب و مشکلات کو برداشت کر کے اسلامی تعلیمات قوم تک پہنچانے کا اہتمام کرتے ہیں یقیناً یہی لوگ اصل میں اس قوم کے ہیرو ہیں۔ ماہنامہ "دلیل راہ" نے اس مرتبہ جس شخصیت کی زندگی کو قارئین کے سامنے رکھا ہے ان کی سچائی، حقانیت اور اعلیٰ مرتبت ہونے کے لئے یہ دلیل کافی ہے کہ ان کے اساتذہ نے بھی ان کو اپنا رہبر مانا ہے اور ان کے دست اقدس پر بیعت کا شرف حاصل کیا ہے۔ ہماری مراد نور الہدیٰ فاؤنڈیشن کے چیئرمین، یادگار اسلاف حضرت علامہ پیر سید سعید الحسن شاہ صاحب سے ہے۔ آیئے! دیکھیں وہ قارئین دلیل راہ کو کن تحائف سے نوازتے ہیں۔ (ادارہ)

انٹرویو پینل: محمد جاوید اقبال یوسفی، محمد قاسم وٹار سیالوی، مظہر اقبال ہاشمی

☆ تاریخ پیدائش ومقام پیدائش؟

✿ والدین نے جو کچھ بتایا اس کے مطابق فروری 1956ء میں چک نمبر 88ج۔ب سرشمیر کے نزدیک ضلع فیصل آباد کے ایک گاؤں میں پیدائش ہوئی۔ والد صاحب ان دنوں وہاں ایک مسجد میں امامت وخطابت کے فرائض سرانجام دے رہے تھے۔ والد صاحب ہندوستان کے ضلع جالندھر کے علاقہ نالپور بنا سے ہجرت کر کے تشریف لائے تھے۔

☆ ابتدائی تعلیم کہاں سے حاصل کی؟

✿ میری ولادت کے بعد والد صاحب ساتھ والے گاؤں چک نمبر 85ج۔ب میں تشریف لے آئے تھے کیونکہ چچا اور دیگر رشتہ دار بھی سب یہیں رہتے تھے۔ میں نے ابتدائی تعلیم اسی گاؤں میں حاصل کی پھر کچھ عرصہ تک سرشمیر کے پرائمری سکول میں پڑھتا رہا۔ آٹھویں جماعت تک تعلیم مکمل کر کے جامعہ رضویہ جھنگ بازار فیصل آباد آ گیا اور یہاں سے درس نظامی اور قرأت کا کورس مکمل کیا۔ شہادۃ العالمیہ کا امتحان جامعہ رضویہ ہی سے دیا۔ اس کے بعد 1977ء میں موجودہ رہائش (چک نمبر 201ر۔ب چندیاں تلاواں براستہ مانانوالہ فیصل آباد) میں آ گیا۔ درس نظامی کی تعلیم کے دوران میں ڈیزائن ماسٹری کی تعلیم بھی حاصل کرتا رہا تھا۔ یہ ڈیزائن ماسٹری جیکارڈ کپڑے پر ہونے والی ڈیزائننگ ہے جو اس کے بُنائی کے دوران ہی بنتی جاتی ہے۔ میں نے یہ تعلیم پنجاب ڈیزائننگ کلب نزد تارے والی مسجد منصور آباد سے حاصل کی۔ تعلیم حاصل کرنے کے بعد مختلف ملز میں جاب کرتا رہا۔ یہ تعلیم اور درس نظامی کا سلسلہ ساتھ ساتھ چلتا رہا۔

1977ء میں مجھے میرے استاد محترم سید منصور حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حکم فرمایا کہ: "میں اپنے باپ دادا کے اس منصب یعنی امامت وخطابت کو ضرور اپناؤں۔ اسی حکم کی تعمیل میں میں یہاں چلا آیا۔ 16 اگست 1977ء بمطابق 29 شعبان المعظم کو میں صرف رمضان المبارک کا مہینہ گزارنے کے لئے اس گاؤں میں آیا تھا۔ اس سے قبل 1975ء میں میں مدرسے کی تعلیم سے فارغ ہو چکا تھا۔ 76ء اور 77ء میں ڈیزائن ماسٹری کی تعلیم اور جاب کرتا رہا۔ یہاں منتقل ہونے اور امامت وخطابت کے آغاز کے بعد بھی میں ڈیزائن ماسٹری کے لئے فیصل آباد جاتا رہا۔ جس کی وجہ سے علم دین کو ذریعہ معاش نہ بنانے کی سوچ اور جذبہ تھا اور بحمدہٖ تعالیٰ، اللہ کے احسان وکرم سے آج تک نہ صرف اس نظریے پر قائم ہوں بلکہ اس پر عمل پیرا بھی ہوں، پھر آخر کار میں نے ڈیزائن ماسٹری امامت وخطابت کے امور میں حرج واقع ہونے کی وجہ سے چھوڑ دی۔

آغاز ہی میں اپنے استاد صاحب کی تعمیل حکم کے لئے صرف ایک ماہ (رمضان المبارک) میں امامت وخطابت کرنے کے نظریے سے آیا تھا اور خیال تھا کہ اس ایک ماہ کے بعد بس کہیں جمعہ پڑھا دیا کروں گا۔ لیکن جب مہینہ پورا ہونے پر واپس آنے لگا تو والد صاحب کے پاس گاؤں کے چند لوگ آئے اور انہوں نے نہ صرف بہت ضد کی بلکہ رونے لگے کہ خدارا صاحبزادے سے کہیں کہ ہمارے پاس ہی رہے کہیں اور نہ جائے چنانچہ والد صاحب نے حکم دیا کہ بیٹا کچھ عرصہ مزید یہاں ٹھہر جاؤ اس کے بعد بھی میں یہاں سے جانے کی دو تین مرتبہ کوشش کر چکا ہوں تاکہ جا کر دوسرا شعبہ سنبھال سکوں لیکن یہاں کے لوگوں نے مجھے نہیں جانے دیا۔

پھر اس کے بعد چونکہ میرے والد صاحب، دادا جی، پردادا جی اور ننھیال کے کئی لوگ طبیب تھے اسی لئے میں نے بھی یہ سلسلہ جاری رکھا اور طب سے منسلک ہو گیا۔ میں نے ایک حدیث مبارکہ پڑھی تھی کہ "جس نے بغیر علم حاصل کیے طب کا پیشہ اپنایا (خدانخواستہ نقصان ہو گیا) تو وہ شخص قیامت کے دن جوابدہ ہوگا" اس حدیث مبارکہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے پھر میں نے باقاعدہ طب کی تعلیم حاصل کرنا شروع کر دی۔ الصحت یونانی میڈیکل کالج سے تعلیم حاصل کی۔ خلاق عالم کے کرم سے میں نے 4 سال میں طب کا کورس بھی مکمل کر لیا اور پھر اس کے ساتھ ہومیو پیتھک کا کورس بھی کیا اور تب میں نے باقاعدہ طور پر اس شعبے کو اپنا لیا۔

☆ اس وقت آپ کا ذریعہ معاش کیا ہے؟

✿ اس وقت جو میرا ذریعہ معاش ہے وہ طب ہے اس میں بھی میرا اپنا طریقہ کار ہے کہ 2 سے 3 دن کی دوائی ہر کسی کو فری دیتا ہوں اور اگر کوئی چاہے تو ہر تیسرے دن آخر خواہ پوری زندگی فری دوائی لیتا رہے، کیونکہ والد صاحب کا بھی یہی طریقہ کار تھا کہ آپ ادویات ہمیشہ فری ہی تقسیم فرمایا کرتے تھے۔ میں بھی یونہی کرتا تھا پھر مجھے پتہ چلا کہ لوگ کئی کئی دن کی دوائی فری لے جاتے ہیں اور صرف ایک آدھ دن کھانے کے بعد باقی ضائع کر دیتے ہیں۔ اس سے مجھے ذہنی کوفت ہوتی تھی چنانچہ میں نے یہ طریقہ اپنایا کہ ہر شخص کو 2 دن کی دوائی فری دیتا ہوں اور اگر زیادہ دن کی دوا مطلوب ہو تو 10 روپیہ یومیہ پرچی فیس (جو پہلے 5 روپے تھی) دے کر جتنے دن کی دوائی چاہیں لے لیں۔ 2 دن کی جو میں دوا فری دیتا ہوں ان میں ایک دن پیر کا ہے اور ایک دن جمعہ کا ہے۔ پیر کے دن میرے آقا ﷺ کی ولادت باسعادت ہے پوری زندگی

اس ولادت پاک کی خوشی میں ہر پیر کی دوائی فری دیتا ہوں۔ جمعہ مسلمانوں کے لئے عید کا دن ہے ہمیشہ جمعہ کی دوائی بھی فری دیتا ہوں۔

☆ اس گرانی کے دور میں یہ اخراجات کیسے پورے کرتے ہیں؟

✿ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ جو میری راہ میں دے گا میں اس کے رزق میں خیر و برکت پیدا فرما دوں گا۔ میں خود اس بات پر حیران ہوں اور شاید آپ بھی حیران ہوں کہ ادویات کی قیمتیں بہت زیادہ ہیں مثلاً پہلے میں ''امبر'' دس ہزار روپے میں تولہ خریدتا تھا لیکن پچھلے دنوں میرا ساتھی محمد فیاض ''امبر'' خریدنے گیا تو اس کی قیمت ایک لاکھ اسی ہزار روپے تولہ تھی۔ اس کے باوجود میری کوئی دوائی ختم نہیں ہوتی، اس کے ختم ہونے سے پہلے اس کی قیمت سے زیادہ رقم میرے پاس جمع ہوتی ہے، بلکہ میرے گھر کے اخراجات بھی رب کریم کی رحمت سے اسی کے ساتھ چلتے ہیں۔

☆ والد صاحب کا اسم گرامی؟

✿ سید نیاز احمد شاہ (رحمۃ اللہ علیہ) جو کہ سیدنا امام حسن ؓ کی اولاد سے ہیں اور میری والدہ محترمہ سیدنا امام حسین ؓ کی اولاد سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ میں حسنی اور حسینی سید ہوں۔

☆ دورہ حدیث شریف کن سے پڑھا؟

✿ محدث کبیر شیخ الحدیث علامہ مولانا غلام رسول رحمۃ اللہ علیہ سے جامعہ رضویہ میں پڑھا۔

☆ بچپن کے کوئی مشاغل یا کوئی کھیل وغیرہ؟

✿ شاید بچپن میں مجھے باقاعدہ کھیلنے کا موقع بہت ہی کم ملا ہے یا بالکل ہی نہیں ملا۔ بچپنے میں میری حالت یوں تھی کہ ایک بار میں اپنے والد کے ساتھ کہیں جا رہا تھا کہ ایک آدمی ملا اور والد صاحب کے میرا تعارف کرانے پر پوچھنے لگا کہ کیا یہ آپ کا وہی بیٹا ہے جسے بچپن میں مست کہا کرتے تھے؟ یہ سن کر میں تھوڑا سا پریشان ہوا۔ بعد میں میں نے والد صاحب سے پوچھا کہ کیا مجھے بچپن میں مست کہا کرتے تھے تو والد صاحب نے فرمایا کہ ہاں بیٹے اس لئے کہ تو نہ تو بچوں کے ساتھ کھیلا کرتا تھا نہ ہی دوسرے بچوں جیسی باتیں کیا کرتا تھا۔ بس خاموشی سے بیٹھا رہا کرتا تھا۔ بس یوں شرارتیں نہ کرنے کے باعث لوگ ایسا سمجھتے تھے، پھر بعض لوگ تو تجھ سے دعا کروانے کے لئے بھی آیا کرتے تھے۔ مختصراً یہ کہ میں نے بچپن میں کھیل کود میں نہ ہونے کے برابر حصہ لیا ہے۔

> کوئی چیز مانگ کرلی جائے تو اس کا ذمہ دار چیز لینے والا ہوتا ہے اور کوئی چیز زبردستی دی جائے تو اس کی ذمہ داری دینے والے پر ہوتی ہے

☆ اب کوئی کھیل پسند ہے؟

✿ جب کوئی کھیل کھیلا ہی نہیں تو پسند ناپسند تو بعد کی بات ہے۔ میں آپ کو بتاؤں کہ میں تب 5 سال کا تھا جب میں شدید بیمار ہو گیا تھا اور دو ایک دن تو بالکل بے ہوش رہا تھا۔ میں والدین کی تیسری اولاد ہوں۔ بڑی دو ہمشیران گرامی قدر ہیں اور ظاہر ہے بیٹیوں کے بعد جو بیٹا ہو وہ نسبتاً زیادہ محبوب ہوا کرتا ہے (والدین کی نظر میں)۔ تب نا صرف والدین بلکہ گاؤں والے بھی میری بیماری پر شدید پریشان تھے اور تب میرے زندہ بچنے کی امید بہت ہی کم تھی تب کسی کے ہاں کوئی پیر صاحب بزرگ تشریف لائے ہوئے تھے۔ وہ دوست انہیں ہماری طرف لے آیا کہ شاہ صاحب کے بیٹے کو دم کر دیں۔ ان پیر صاحب نے مجھے دیکھا تو والد صاحب کو خوشخبری کے انداز میں کہا کہ ''شاہ صاحب آپ کیوں پریشان ہیں اللہ آپ کو برکتوں سے نوازے۔ آپ کا بیٹا بڑا ہو گا، عالم دین بنے گا اور بہت سے لوگ اس کے ہاتھ پر اسلام قبول کریں گے۔

کیا یہ آپ کا وہی بیٹا ہے جسے بچپن میں مست کہا کرتے تھے؟

یہ دین متین کا بہت بڑا خادم بنے گا وغیرہ وغیرہ۔ اسی وقت والد صاحب نے پروگرام بنالیا کہ اللہ بیٹے کو صحت دے تو اسے عالم دین بناؤں گا۔

☆ عصری تعلیم کہاں تک حاصل کی؟

✿ جی الحمدللہ میں نے ایم۔اے تک تعلیم حاصل کی ہے (ایم۔اے اسلامیات) 1980ء میں میٹرک کیا یہاں آنے کے بعد اس کے بعد علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی سے F.A کیا الحمدللہ دوران تعلیم مجھے اپنے تمام اساتذہ سے جو ایک اور چیز ملی وہ احترام تھا۔ حالانکہ عموماً احترام استاد نہیں شاگرد کیا کرتے ہیں۔ یہ اللہ کا احسان ہے کہ میں جب طبیہ کالج میں تعلیم حاصل کر رہا تھا تو میرے فرسٹ ائیر کے ٹیچر محمد نعیم اور سیکنڈ ائیر کے محمد انور

علوی دونوں ہی میرے بیعت ہوگئے تھے اور یہ بات بتاتے ہوئے میں ہچکچاہٹ محسوس کرتا ہوں کیونکہ ایسا ہونا تو نہیں چاہیے۔ وہ بات یہ ہے کہ میں کالج کے زمانہ میں پرنسپل صاحب کے آفس میں بہت کم جاتا تھا جس کی وجہ یہ تھی کہ میرے جانے پر پرنسپل صاحب ہمیشہ اپنی کرسی سے اٹھ کر کھڑے ہو جاتے تھے۔ شاید ہی ایسا کوئی طالب علم ہو جسے اپنے کالج کے پرنسپل کا ایسا ادب و احترام ملے۔ ان کا نام محمد اشرف سلیمی تھا چند ماہ پہلے ان کا انتقال ہوگیا ہے ان کی وصیت تھی کہ میں ہی ان کا جنازہ پڑھاؤں اور میں نے ہی ان کا جنازہ پڑھایا تھا۔ اوپن یونیورسٹی میں محمد بشیر، عبدالحمید میرے ٹیوٹر تھے۔ جاوید اسلم باجوہ میرے انگلش کے ٹیچر تھے۔ بشیر صاحب نے میری اسائنمنٹ میں مجھے 100 میں سے 96 نمبر دیے تھے۔ جب وہ ہیڈ آفس گئے تو ان سے پوچھا گیا کہ آپ نے اس سٹوڈنٹ کو کس طرح 96 نمبر دے دیے؟ چنانچہ محمد بشیر صاحب کے ساتھ مجھے بھی طلب کرلیا گیا۔ ڈاکٹر اسحاق قریشی بھی اس وقت وہاں موجود تھے اور وہ بھی میرے 96 نمبروں پر معترض تھے۔ بشیر صاحب نے میری اسائنمنٹ بھی پیش کردی۔ ڈاکٹر اسحاق قریشی نے اسائنمنٹ کو پڑھا اور کہنے لگے کہ یہ کس نے لکھی ہے بشیر صاحب کہنے لگے کہ اس (یعنی میں) نے لکھی ہے۔ ڈاکٹر صاحب کہنے لگے یہ کسی ایم فل کے سٹوڈنٹ نے لکھی ہے آپ نے کس سے لکھوائی ہے۔ میں نے بتایا کہ جناب میں نے ہی لکھی ہے۔ بشیر صاحب کا بھی حوصلہ بڑھ گیا اور کہنے لگے کہ سر یہ وہی ہیں جنہوں نے کتاب "طب نبوی" لکھی ہے۔ وہاں ایک پروفیسر عبداللہ موجود تھے حیران و ششدر ہو کر پوچھنے لگے "طب نبوی تساں لکھی اے؟" میں نے کہا جی جناب۔ پھر کہنے لگے "مڑا اسائنمنٹ وی ایسے نے لکھی اے"۔

☆ آپ کا دور طالب علمی علم اور تعلم کے حوالہ سے بڑا زرخیز تھا۔ موجودہ دور کے طالب علموں اور اساتذہ کو آپ کیسا دیکھتے ہیں؟

✿ اللہ تعالیٰ رحمت فرمائے۔۔۔۔۔ یہ دونوں طبقے ہی موجودہ حالات کے ذمہ دار ہیں۔ جو شخص پڑھنے کے بعد پڑھانے کا شعبہ اپناتا ہے اور اس کی پڑھنے میں دلچسپی نہیں تھی تو اب پڑھانے میں کس طرح ہو سکتی ہے۔ آج کا طالب علم کل کا استاد ہے۔ جس انداز سے اس کی تربیت کی گئی ہوگی وہ اسی طرح اپنے شاگردوں کی تربیت کرے گا۔ آج پڑھنے والوں کا بھی وہ جذبہ نہیں اور نہ ہی پڑھانے والوں میں وہ اخلاص نظر آتا ہے۔ آج کا دور جسے میڈیا کا دور کہا جاتا ہے۔ کمپیوٹر کی تعلیم پر بہت زور دیا جاتا ہے اور یہ ہونی بھی چاہیے۔ ضرور ہونی چاہیے لیکن ہر چیز کے مثبت اور منفی پہلو ساتھ ساتھ ہوتے ہیں۔ کمپیوٹر کی تعلیم میں بھی اس کے مثبت پہلوؤں کو اجاگر کرتے ہوئے اس کے نقصانات سے بچنے کی تدبیر بھی کرنی چاہیے۔ ہر شخص اپنی اولاد کو کمپیوٹر کے غلط استعمال سے بچائے جو کہ آج کل نہیں ہو رہا۔ جب بچے سارا دن کمپیوٹر گیمز کھیلنے اور غلط قسم کی فلمیں دیکھنے میں گزاریں گے تو بتایئے کہ ان کے ذہن پر کیا اثر پڑے گا اور ان کا رجحان پھر تعلیم کی طرف کس طرح ہوگا؟ بچے اگر کلاس روم میں بیٹھے اپنے موبائل فون پر بھی انہی چیزوں میں مشغول رہیں گے تو شیطان تو پہلے ہی اپنا کام دکھانے کے لئے تیار بیٹھا ہے اور وہ تعلیم، جو مسلمان کا زیور ہے اس سے انہیں محروم کرنا چاہتا ہے۔ یہ چیز اساتذہ اور طلباء دونوں طرف پائی جاتی ہے، کیونکہ تالی ہمیشہ دو ہاتھوں سے ہی بجتی ہے۔

آپ کا بیٹا بڑا ہوگا، عالم دین بنے گا اور بہت سے لوگ اس کے ہاتھ پر اسلام قبول کریں گے

مثلاً میں جب جامعہ رضویہ میں پڑھتا تھا اور کم عمر تھا تو وہاں چھوٹے بچوں کو لنگر خانے سے کھانا نہیں ملا کرتا تھا بچوں کو محلے کے مختلف

گھروں میں کھانا لینے کیلئے بھیج دیا جاتا تھا۔ سادات خاندان سے تعلق ہونے کے باعث میں نے شروع سے ہی کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلایا۔ میں جب ایک بار لنگر خانہ میں روٹی لینے گیا تو صوفی گلزار احمد رحمۃ اللہ علیہ مرحوم جو کہ انچارج تھے نے مجھے کہا کہ چلو جاؤ چھوٹے بچوں کو روٹی نہیں ملتی میں یہ سن کر واپس آ گیا تھا مجھے یاد نہیں کہ وہ 7 دن تھے 8 یا 10 دن تھے کہ مجھے کہیں سے روٹی نہیں ملی نا ہی میں کسی کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتا تھا۔ اتنا عرصہ میں سوکھی روٹی یا قل شریف کے چنے وغیرہ کھا کر گزارہ کرتا رہا اس بات کا میں نے کسی کو نہیں بتایا تھا۔ تب میں پیدل چل کر جامعہ سے منصور آباد تک ڈیزائن ماسٹری کی تعلیم کے لیے روزانہ جایا کرتا تھا اور پھر رات کو جامعہ آ کر پڑھتا تھا۔ یہ میرا شوق اور جذبہ بھی تھا اور پھر اساتذہ بھی نہایت اخلاص اور محبت سے پڑھایا کرتے تھے۔

☆ اخبار پڑھتے ہیں؟

✿ جی پڑھتا ضرور ہوں لیکن بہت زیادہ نہیں اور کوئی خاص نہیں پڑھتا بس اخبار والا جون سا بھی دے جائے۔ میں نے دوست احباب کو کہہ رکھا ہے کہ جو بہت اہم اور خاص خبر یا مضامین ہوں وہ بتا دیا کریں تاکہ بالخصوص پڑھ لی جائے، لیکن روزانہ تازہ اخبار پڑھنے کی عادت نہیں بعض اوقات کئی کئی دن کے اخبارات اکٹھے دیکھ لیتا ہوں جن دنوں کتاب ''اتحاد امت'' اور ''سیرت الانبیاء'' لکھ رہا تھا ان دنوں اخبار باقاعدگی سے پڑھتا تھا کیونکہ ان میں اخبارات کے کئی حوالہ جات دینا تھے، لیکن اب مصروفیات بھی اس قدر ہیں کہ وقت نہیں مل پاتا۔

☆ روزمرہ کے معمولات کیا ہیں؟

✿ صبح نماز فجر کی امامت کرواتا ہوں اس کے فوراً بعد درجہ ناظرہ والوں کو خود پڑھاتا ہوں اور اس بات کو قطعاً (معاذ اللہ) حقیر نہیں سمجھتا کیونکہ یہ میرے آقا ﷺ کی سنت ہے۔ اس کے بعد درجہ حفظ کی بچیاں آ جاتی ہیں ان کی تعلیم جاری و ساری رہتی ہے ساتھ میری بیٹیاں بھی پڑھاتی ہیں۔ بحمدہٖ تعالیٰ میری تین بیٹیوں نے قرآن کریم حفظ کر رکھا ہے۔ بڑے بیٹے نے ایم۔اے عربی کر رکھا ہے۔ اس سے چھوٹا بیٹا انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد میں ایم۔اے اسلامیات کر رہا ہے۔ اس سے چھوٹا بیٹا پنجاب کالج سے ایف ایس سی کر رہا ہے۔ ظہر کے بعد میں مطب میں بیٹھتا ہوں۔ مغرب کے بعد وقت ہوتا ہے کہ میں تفسیر قرآن کا مطالعہ میں بیٹھتا ہوں۔ مغرب کے بعد وقت ہوتا ہے کہ میں تفسیر قرآن کا مطالعہ کر لوں کیونکہ عشاء کے بعد پھر میں تفسیر پڑھاتا ہوں۔ بحمد اللہ تعالیٰ 1977ء سے اب تک مسلسل تفسیر پڑھا رہا ہوں۔ جمعہ اور ہفتہ دو دن حدیث مبارکہ کی تفسیر ہوتی ہے۔ بقیہ دن قرآن پاک کی تفسیر ہوتی ہے۔ 7 سے 8 سال میں ایک مرتبہ تفسیر مکمل ہوتی ہے۔ قرب و جوار میں اگر کسی تقریب میں جانا ہو تو تفسیر پڑھا کر ہی جاتا ہوں۔ اگر دور جانا ہو تو پھر بعض اوقات جمعہ پڑھا کر بھی چلا جاتا ہوں رات کو دیر گئے واپسی ہوتی ہے اور اگلے دن سے پھر وہی معمول۔

☆ اب تک کتنی کتابیں منظر عام پر آ چکی ہیں؟

✿ بڑی کتابیں تقریباً 13۔14 ہیں۔ کتاب ''خاندان مصطفےٰ ﷺ'' تقریباً 800 صفحات، ''سیرت امام الانبیاء'' الحمد للہ یہ کتاب پڑھنے کے بعد غیر مسلموں کی ایک بڑی تعداد اسلام قبول کر چکی ہے۔ نماز کی کتاب ''صلوٰۃ الرسول'' اس کی بھی اتنی ہی ضخامت ہے۔ ایک اور کتاب ''طب نبوی مع رہبر زندگی'' ہے یہ کتاب 1985ء میں دنیا بھر کی کتابوں میں دوسرے انعام کی حقدار قرار پائی تھی۔

☆ دنیا بھر کی کتابوں میں دوسرا انعام؟ کچھ تفصیل بتانا پسند فرمائیں گے؟

✿ یہ ضیاء الحق کے زمانہ کی بات ہے 1985ء، پروفیسر غلام یاسین منہاس ان دنوں ڈاکٹر طاہر القادری کے بہت نزدیک تھے۔ ان کا میرے پاس آنا جانا تھا انہوں نے مجھے بتایا کہ طاہر القادری نے بتایا ہے کہ ایک شخص ہے ''محمد سعید الحسن'' نامی۔ اس نے ایک کتاب لکھی ہے جو دنیا میں پہلے نمبر پر آئی تھی لیکن چونکہ اس کی طباعت کا معیار اعلیٰ نہیں ہے اس لئے اس کے کچھ نمبر کٹ گئے اور وہ سیکنڈ ہوئی۔ اگر اس کتاب کا کاغذ اور ظاہری ''Get up'' بھی اچھا ہوتا تو یہ دنیا میں پہلے نمبر پر آتی میں نے اس بات کی تصدیق کرنے کے لئے طاہر القادری سے ملنے کا فیصلہ کیا۔ کچھ ہی دنوں بعد وہ سمن آباد میں کسی لائبریری کا افتتاح کرنے کے لیے آئے اور میں اپنی وہی سادہ سی کتاب لے کر وہاں پہنچ گیا۔ جب ملاقات کا موقع ملا تو میں نے انہیں اپنی کتاب پیش کی۔ دیکھتے ہی حیران ہو کر پوچھنے لگے کہ کیا یہ کتاب آپ نے ہی لکھی ہے میں

ضیاء الحق نے مصر اور ایران کو راضی کرنا تھا اس لیے انہیں انعامات دے دیئے

نے کہا جی جناب! انہوں نے اسی وقت مجھے اپنے پاس بٹھا لیا اور کہا کہ آپ کو مبارک ہو کہ یہ کتاب دنیا بھر میں سیکنڈ آئی ہے۔ انہوں نے مزید بتایا کہ پروفیسر غلام یاسین بھی اس 14 رکنی سکالرز کی جیوری میں شامل تھے جنہوں نے کتاب کی ریٹنگ کی ہے۔ آپ کی کتاب پر دنیا کے مختلف اسکالرز نے بہت اچھے ریمارکس دیے ہیں۔ جب آپ وہاں جائیں تو اپنی کتاب پر بنی ہوئی فائل ضرور لے کر دیکھئے گا۔ انہوں نے مزید بتایا کہ آپ کی کتاب تو نواز شریف صاحب اپنے ساتھ ہی لے گئے تھے اور اس کتاب کے مطابق اپنے گھر میں کھانے پکوا کر کھاتے ہیں۔ اگر آپ کی کتاب کی پرنٹنگ اور کاغذ وغیرہ معیاری ہوتا تو یقیناً اسے اول قرار دیا جاتا۔

اس کے بعد میں نے وزارت مذہبی امور والوں سے رابطہ کیا تو مجھے جواب یہ ملا کہ آپ کی کتاب آئی تو سیکنڈ ہی ہے لیکن فائنل حتمی فیصلہ ضیاء الحق صاحب آ کر کریں گے۔ ان دنوں مصر عرب لیگ سے باہر تھا ضیاء الحق صاحب نے تقریر کی تھی اور مصر کو عرب لیگ میں شامل کیا تھا۔ اس تناظر میں ہوا یوں کہ مصری سکالر کی کتاب کو فرسٹ قرار دے دیا گیا۔ ایران کے سکالر کی کتاب جو پہلے فرسٹ تھی اب سیکنڈ نمبر اسے دے دیا گیا اور

مزے کی بات یہ کہ میری کتاب کو تھرڈ نہیں بلکہ ویسے ہی خارج کر دیا گیا (یہاں شاہ جی مسکرا پڑے) میں نے کہا کہ جناب یہ کیا ہوا میں اس پر احتجاج کرنا چاہوں گا جواب ملا کہ نہیں احتجاج کا فائدہ نہیں ضیاء الحق نے مصر اور ایران کو راضی کرنا تھا اس لیے انہیں انعامات دے دیے گئے۔

☆ کسی خاص اور بڑے اجتماع میں شرکت جو آج بھی یاد ہو؟

✿ اجتماع کے بڑے پیمانے پر انتظامات، سجاوٹ اور عوام کے جم غفیر کے جمع ہونے جیسی باتوں پر میں زیادہ دھیان نہیں دیا کرتا بہر حال الحمدللہ تعالیٰ میں ایسے ہر بڑے چھوٹے اجتماع میں شامل ہو جاتا ہوں جو اہل سنت و جماعت کا ہو۔ اس میں میں قطعاً اس چیز کی تمیز نہیں کرتا کہ اس اجتماع کا تعلق اہل سنت کی کس تنظیم سے ہے۔ بس اہل سنت ہونے چاہئیں۔ میں اجتماعات کی ظاہری سجاوٹ کی بجائے ان کی روحانیت سے فیضیاب ہونے کی کوشش کرتا ہوں۔

☆ کسی بڑی شخصیت سے یادگار ملاقات کا احوال؟

✿ فی الحال تو کچھ خاص یاد نہیں، البتہ نورانی صاحب کی خدمت میں ان کے گھر حاضر ہو چکا ہوں نیازی صاحب کے پاس بھی حاضری ہوتی رہی ہے۔ علامہ سید ریاض حسین شاہ سے بھی کئی مرتبہ ملاقات ہو چکی ہے۔ ڈاکٹر طاہر القادری اور مولانا محمد الیاس قادری سے بھی ملاقاتیں ہوئی ہیں اور میں ان سبھی شخصیات کو اعلیٰ ہی کہتا ہوں۔

☆ پاکستان میں مختلف ادوار میں سنی کانفرنسز منعقد ہوئی ہیں۔ مثلاً ملتان میں 2000ء میں یا رائیونڈ میں نظام مصطفےٰ کانفرنس، موچی دروازہ لاہور میں سنی کنونشن یا مینار پاکستان میں پروگرامات ان میں سے کسی پروگرام میں شرکت کی سعادت حاصل ہوئی؟

✿ جی ہاں میں مصطفےٰ آباد (رائیونڈ) میں ہونے والے پروگرام میں شریک ہوا تھا اور یہاں سے اپنے ساتھ ایک گاڑی بھی لے کر گیا تھا۔ مجھے تب بہت خوشی ہوئی تھی اور میری خواہش تھی کہ کاش اس قسم کے پروگرام رائیونڈ میں مزید ہوں اور لوگوں کو پتہ چل جائے کہ رائے ونڈ صرف اُن کا نہیں ہے بلکہ حق یہ ہے کہ ہمیں ان علاقوں میں بھی جا کر کام کرنا چاہیے جہاں پر اُن کا ہولڈ ہے، تا کہ دنیا بھر کو پتہ چل جائے کہ اہل سنت و جماعت اب بھی دنیا میں غالب اکثریت رکھتے ہیں۔

☆ کوئی ایسی خواہش جو باوجود چاہنے کے اب تک پوری نہ ہوئی ہو؟

✿ اللہ تبارک و تعالیٰ نے مجھے عجیب ذہن عطا فرمایا ہے۔ اس پر میں اس کا شکر بھی ادا کرتا ہوں۔ میری ایسی کوئی خواہش نہیں بلکہ رب کریم کی رضا پہ راضی رہتا ہوں۔ الحمدللہ اللہ تعالیٰ نے دینی و دنیوی اعتبار سے ہر وہ چیز عطا فرمائی ہے کہ جس کی ظاہری طور پر ضرورت ہوتی ہے۔

پوری امت کے اتحاد اور یگانگت کی واحد سبیل اور بنیاد صرف محبت رسول کو بنایا جا سکتا ہے

رب کائنات کا احسان ہے کہ جو خواہش ہو وہ پوری ہوتی ہے پوری نہ بھی ہو تو اطمینان ہوتا ہے کہ بس ٹھیک ہوا ہے۔ میرا اللہ جیسے راضی ہے میں اس پر راضی ہوں۔

☆ حاضری حرمین شریفین کتنے بار یہ سعادت حاصل کر چکے ہیں؟

✿ حرمین شریفین میں کتنی بار حاضری دے چکا ہوں یہ میں گن نہیں سکتا۔

☆ آپ کی زندگی کا خوشگوار ترین دن کون سا ہے؟

✿ میں عید میلاد النبی کے دن بہت خوش ہوتا ہوں، یا پھر اس کے علاوہ میری زندگی کا خوشگوار ترین دن وہ ہے جس کا میں یہاں اس طرح تذکرہ نہیں کرنا چاہتا۔

☆ سلسلہ بیعت؟

✿ قبلہ والد صاحب ہمارے بزرگ سید فتح محمد شاہ چشتی قادری رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے اور آپ کو ان سے اجازت خلافت ملی تھی۔ والد صاحب نے مجھے اپنی زندگی میں ہی اجازت بیعت وخلافت مرحمت فرمادی تھی، پھر میں ان کی اجازت سے حضرت محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد صاحب کے بڑے صاحبزادے قاضی محمد فضل رسول حیدر رضوی کے ہاتھ پر بیعت ہوا۔ میں والد صاحب کی اجازت کے باوجود ان کی حیات مبارکہ میں لوگوں کو بیعت کرنا احترام کے خلاف سمجھتا تھا۔ تب میرے ہاتھ پر کچھ عیسائی مسلمان ہوئے تھے اور بحمدہ تعالیٰ میری کتاب سیرت امام الانبیاء پڑھ کر بہت سے غیر مسلموں نے اسلام قبول کیا۔ ان نومسلموں نے بیعت کی بہت ضد کی لیکن میں ان افراد کو بیعت کرنے سے انکار کرتا رہا۔ ایک واقعہ جس کے بعد میں لوگوں کو بیعت کرنے پر آمادہ ہوا وہ یہ ہے کہ ایک بے نمازی شخص میرے یہاں آنے کے بعد میرا دوست بن گیا اور پابندی سے نماز بھی ادا کرنے لگا۔ وہ مجھ سے بیعت کرنے کی بہت ضد کیا کرتا تھا لیکن میں حسب عادت انکار کر دیتا تھا۔ اللہ معاف فرمائے آخر کار وہ شخص ایسے آدمی سے بیعت ہو گیا جس نے اس کو نماز سے بھی دور کر دیا۔ تب مجھے بڑا ذہنی طور پر صدمہ ہوا کہ کل اگر قیامت کے دن اللہ رب العزت نے پوچھ لیا کہ اگر تو اسے بیعت کر لیتا تو وہ نماز سے دور تو نہ ہوتا۔ اسی دوران دو نومسلم بیعت ہونے کے لئے آئے تو میں انہیں لے کر جھنگ بازار صاحبزادہ صاحب کے پاس چلا گیا اور ان سے عرض کی کہ آپ انہیں بیعت کر لیں۔ صاحبزادہ صاحب نے مجھے کہا کہ نہیں آپ خود بیعت کیجئے۔ ان کے بہت اصرار کے بعد بڑی ہمت کر کے میں نے عرض کیا کہ حضور کوئی چیز مانگ کر لی جائے تو اس کا ذمہ دار چیز لینے والا ہوتا ہے اور کوئی چیز زبردستی دی جائے تو اس کی ذمہ داری دینے والے پر ہوتی ہے۔ آپ مجھے زبردستی دے رہے ہیں۔ صاحبزادہ صاحب مسکرا پڑے اور کہنے لگے ان شاء اللہ اللہ پاک کرم فرمائے گا۔ تب میں نے پہلی بار ان لوگوں کو بیعت کیا تھا۔

پھر سید عاشق حسین شاہ تھے، سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کے بزرگ، وہ یہاں اپنے کسی مرید کے ہاں تشریف لائے تھے۔ میں مسجد میں بیٹھا تھا کہ وہ وضو کرنے کے لئے مسجد میں تشریف لائے پھر میرے پاس آ کر بیٹھے اور ہمارے درمیان گفتگو ہونے لگی۔ اس گفتگو سے وہ اتنے زیادہ متاثر ہوئے کہ جب ان کا مرید انہیں لینے آیا تو وہ کہنے لگے کہ نہیں میں نہیں جاؤں گا یہیں رہوں گا۔ میں نے سوچا کہ کہیں ان کا مرید مجھ سے ناراض نہ ہو سو عرض کی کہ آپ بے شک تشریف لے جائیں لیکن وہ کہنے لگے کہ نہیں میں تو آپ کے پاس ہی رہوں گا۔ میں اپنے گھر لے گیا اور سادہ سا سالن پکا تھا وہی کھانا پیش کیا، پھر وہ بزرگ فرمانے لگے کہ میری خواہش ہے کہ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کی خلافت آپ کو دوں میں نے عرض کی کہ حضور پہلے ہی بوجھ بہت ہے اس پر ان کا جواب اختصار سے عرض کروں گا۔ کہنے لگے کہ قیامت کے دن کوئی تو فخر کرے گا کہ میں فلاں کا مرید ہوں میں چاہتا ہوں کہ میں قیامت کے دن فخر کر سکوں کہ میرا تعلق اس بندے کے ساتھ ہے۔ اس لئے آپ اجازت بیعت وخلافت لے لیجئے، پھر انہوں نے تحریری طور پر بھی اجازت مرحمت فرمائی۔ اس کے علاوہ قبلہ احمد سعید کاظمی کا مقالات کاظمی میں عبدالعزیز نامی ایک غیر مقلد سے مباہلے کا واقعہ پڑھا تھا میں اس واقعہ کو پڑھ کر بہت متاثر ہوا تھا، چنانچہ میں صرف ان کی زیارت کرنے کی نیت سے ملتان گیا تھا۔ پورے راستے میں ایک مخصوص کیفیت طاری رہی کہ اللہ کے ایک ولی کی زیارت کے لئے جا رہا ہوں جس کے ذریعے اللہ نے ایک غیر مقلد کو مباہلہ میں ہلاک کروایا اور ان کو عزت دی۔

جب میں ملتان مدرسے میں حاضر ہوا تو پتہ چلا کہ وہاں کوئی اہل سنت کا کنونشن بھی ہونے والا ہے۔ وہاں ان دنوں میرے چھوٹے بھائی نعیم الحسن بی ایڈ کر رہے تھے۔ جب میں ان کے کمرے میں داخل ہوا تب وہ کچھ علماء سے ملاقات کرنے کے لیے جا رہے تھے۔ دیگر علماء بھی ساتھ جانے کے لئے کھڑے تھے۔ میں نے قریب جا کر سلام پیش کیا تو نجانے کیا ہوا کہ آپ نے مجھے بڑی شفقت سے اپنے ساتھ چمٹا لیا

قرآن مجید کائنات کے تمام علوم کا ماخذ ھے

اور میری پیشانی کو چوما۔ میں حیرت زدہ اور کانپ گیا۔ کاظمی شاہ صاحب بیٹھ گئے اور مجھے بھی اپنے ساتھ ہی بٹھا لیا دیگر علماء پر یہ بات ناگوار گزری اور وہ کاظمی شاہ صاحب سے کہنے لگے کہ حضور وہاں پریس والے آپ کے منتظر ہیں۔ شاہ صاحب نے کہا تو کیا میں ان کو چھوڑ کے وہاں چلا جاؤں یہ صرف مجھ سے ملنے فیصل آباد سے یہاں آئے ہیں۔ میں نے علماء کے "چیں بجبیں" ہونے کا خیال کرتے ہوئے واپسی کی اجازت چاہی۔ کاظمی شاہ صاحب نے اگلے دن ملاقات کا وعدہ لے کر جانے کی اجازت دے دی۔ اگلے دن وہ مدرسہ سے تشریف نہ لائے تو میں گھر حاضر ہو گیا دیکھا تو اپنے برآمدے میں درس حدیث شریف ارشاد فرما رہے تھے۔ شاید 20 یا 25 یا زیادہ طالب علم موجود تھے۔ فارغ ہونے پر میں ملا تو آپ خوش ہوئے۔ وہیں مجھے بیعت فرما کر اجازت بھی مرحمت فرما دی حالانکہ یہ میری پہلی ملاقات تھی۔

☆ موجودہ عالمی حالات کے تناظر میں امت مسلمہ میں اتحاد و یگانگت کیسے پیدا کی جا سکتی ہے؟

✿ اللہ تعالیٰ اپنے پیارے حبیب ﷺ کے صدقہ سے رحمت اور ایمان کی دولت عطا فرمائے۔ میں 40 روزہ تعلیم القرآن کورس ہر سال کرواتا ہوں۔ بحمد تعالیٰ ہزار سے ڈیڑھ ہزار خواتین و حضرات ہوتے ہیں۔ ان کے لیے مرتب کردہ کتاب کے ابتدائیے میں میں نے لکھا ہے کہ اگر ہمارے اندر واقعتاً اخلاص پایا جاتا ہے اور ہم واقعی اپنے آقا ﷺ سے سچی محبت اور عشق کرتے ہیں تو پوری امت کے اتحاد اور یگانگت کی واحد سبیل اور بنیاد صرف محبت رسول کو بنایا جا سکتا ہے۔ پچھلے دنوں جب ڈنمارک و دیگر ممالک نے شیطانوں اور دہشت گردوں کے کارٹون بنا کر ان پر میرے آقا کریم ﷺ کا نام لکھ دیا اور میری نظر میں ان کارٹونز کو نبی کریم ﷺ کے کارٹون کہنا گستاخی اور حرام ہے۔ تب سعودی عرب کے ان ممالک سے معاشی بائیکاٹ نے ان کے لیے اچھے خاصے مسائل پیدا کر دیے تھے، پھر الدعوۃ والوں نے جو بورڈ لگوائے تھے کہ "حرمت رسول پر جان بھی قربان ہے" اس ایک مصرعے کو مکمل شعر کی شکل میں نے یوں دی تھی کہ

حرمت رسول پر جان بھی قربان ہے
نبی کا جو گستاخ ہے مردود بے ایمان ہے

اس شعر کے میں نے بھی بینرز بنوا کر لگوائے تھے، پھر ان دنوں سعودی حکومت نے ایک سٹکر جاری کیا تھا جو میں بڑی تعداد میں یہاں لے کر آیا تھا ان پر جلی حروف میں لکھا تھا "کلنا فداک یا رسول اللہ" واضح رہے کہ یہ سٹکر زپاکستان کے سنیوں نے نہیں بلکہ سعودیہ والوں نے بنوائے تھے اور اہل سنت و جماعت جن کو لوگ بریلوی بھی کہتے ہیں وہ تو پہلے ہی ہر دم محبت مصطفےٰ ﷺ کا دم بھرتے ہیں تو پھر درحقیقت عالمی سطح پر اگر امت کے اتحاد کی بنیاد کوئی چیز بن سکتی ہے تو وہ فقط محبت رسول ﷺ اور عشق مصطفےٰ ﷺ ہے۔ کیونکہ رب کائنات کو تو عیسائی، سکھ، بدھ مت، یہودی اور کسی نہ کسی رنگ میں ہندو بھی مانتے ہیں اس لئے اگر کوئی توحید کو اتحاد کی بنیاد بنانے کا کہے تو وہ خلاف واقعہ بات کرے گا۔ میں نے اپنی کتاب میں بھی یہی لکھا ہے کہ آج سب سے اعلیٰ پلیٹ فارم یہ ہے کہ ذات مصطفےٰ ﷺ کو پیش نظر رکھ کر ہی پوری امت یکجا اور یکجان ہو سکتی ہے، کیونکہ آپ جانتے ہیں کہ مقام حدیبیہ میں بھی سہیل بن عمرو اور عروہ بن مسعود ثقفی یہ دونوں بارگاہ رسالت مآب ﷺ سے واپس قریش مکہ کے پاس آئے تھے اور انہوں نے مکہ کے سرداروں سے کہا کہ اے اہل مکہ صحابہ اپنے رسول حضرت محمد ﷺ سے اس قدر محبت اور عشق کرتے ہیں کہ جب حضور ﷺ وضو فرماتے ہیں تو صحابہ پانی کا ایک قطرہ بھی زمین پر گرنے نہیں دیتے۔ حضور ﷺ اپنا لعاب دہن ڈالتے ہیں تو وہ اپنے ہاتھوں پر لے لیتے ہیں کہ جیسے اس سے بڑھ کر کوئی نعمت کائنات میں ہے ہی نہیں۔ وہ اسے ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں۔ جس کو مل جاتا ہے تو اسے اپنے چہرے کا غازہ بنا لیتا ہے جسے نہیں ملتا وہ ان گیلے ہاتھوں سے ہاتھ مس کر کے اپنے چہرے پر پھیر لیتا ہے، پھر اس نے تاریخی جملہ کہا تھا کہ "اے اہل مکہ کعبہ کے رب کی قسم جس کے غلام اس کے وضو کے پانی کا قطرہ زمین پر گرنے نہیں دیتے سوچو کہ کیا اس کے خون کا قطرہ بھی زمین پر گرنے دیں گے۔ پھر اس نے کہا تھا کہ اگر تم چاہتے ہو کہ محمد کو فتح کرو تو اس کے غلاموں کے دلوں سے ان کی محبت کو نکال دو جب تک تم اس محبت کو نکال نہیں دیتے ان کو فتح نہیں کر سکتے۔ دیکھ لیجئے کہ حضور ﷺ کی محبت کیسی عظیم شے ہے۔ آپ یہ بھی دیکھئے کہ حضرت سفینہ اور شیر کی صلح کس بات پر ہو گئی تھی؟ حضرت سفینہ آرہے تھے تو شیر نے حملہ کرنا چاہا تب حضرت نے کیا کہا تھا؟

"یا ابا الحارث انا مولیٰ رسول اللہ" اوشیر ذرا غور کر نا کہ میں رسول اللہ کا غلام ہوں" اگر غلامی رسول کے صدقہ سے ایک درندے اور انسان کی صلح ہو سکتی ہے تو انسان کی آپس میں کیوں نہیں ہو سکتی؟ اقبال نے بھی کہا تھا کہ

یہ فاقہ کش جو موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روح محمد اس کے بدن سے نکال دو
فکر عرب کو دے کر فرنگی تخیلات

اسلام کو حجاز و یمن سے نکال دو

ہمارے دشمنوں کے ذہن میں کامیابی کی ترکیب یہی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی محبت مسلمانوں کے دلوں سے نکال دی جائے۔ نبی کریم ﷺ کی محبت کو فروغ دیا جائے تو آپس میں پیار اور اتحاد خود بخود پیدا ہو جائے گا۔

☆ ادارہ حزب الاسلام کا قیام کب اور کیوں عمل میں لایا گیا؟

✿ جب مجھے اپنے پیر صاحب سے اجازت ملی تھی تو انہوں نے اپنا شجرہ میرے حوالے کیا اور فرمایا کہ اس پر ایک اپنا شجرہ لکھ کر چھپوا لوں۔ میں نے اسے خود چھپوانے کی اجازت اس نظریے کے ساتھ لی کہ عموماً ہمارے ہاں مرید کو اپنے پیر صاحب کا شجرہ تو یاد ہوتا ہے لیکن نماز نہیں یاد ہوتی۔ نہ فرائض کا علم نہ شرائط کا نہ سنتوں کا علم ہوتا ہے اسی لئے اگر میں شجرہ پرنٹ کرواؤں گا تو اس کے ساتھ نماز کی کتاب بھی چھپواؤں گا۔ چنانچہ ''مصباح الجنۃ'' کے نام سے نماز کی کتاب مرتب کی اس کے بعد جب ''اتحاد امت'' کتاب لکھی تب ضرورت محسوس کی کہ اس پر کوئی ایڈریس وغیرہ لکھا ہونا چاہیئے کہ یہ کتاب کس نے کہاں سے شائع کی ہے تو پھر میں نے ''الا ان حزب اللہ ھم المفلحون ۔ ۔ یوم الفائزون'' یعنی جو اللہ کا گروہ ہے وہی کامیاب ہے۔ وہی فلاح پانے والا ہے اور دوسری آیت ''ان الدین عند اللہ الاسلام'' اللہ کے دربار میں جو دین ہے وہ دین اسلام ہے۔ ان دونوں آیات کو ملا کر ''حزب الاسلام'' نامی ایک ادارہ قائم کر لیا یہ شاید 90 کی دہائی کی بات ہے۔ تب اس ادارے کا صدر، رکن، مدیر سب کچھ میں اکیلا ہی تھا۔ پھر جب میں نے کتابیں چھپوا کر تقسیم کیں تو غازی غلام رسول رحمۃ اللہ علیہ جو سیال شریف کے مرید اور چنیوٹ میں جامعہ محمدی شریف میں پڑھاتے تھے۔ سیکنڈ ہیڈ ماسٹر بھی تھے۔ وہیں عاشق حسین ہاشمی تھے جو کہ میری کتب کے کتابت کے فرائض سرانجام دیتے تھے۔ یہ دونوں احباب میرے پاس تشریف لائے۔ ہاشمی صاحب راستے میں کام سے رک گئے، غازی صاحب گھر آئے تو میں نے بصد تعظیم انہیں کمرے میں بٹھایا خود بھی دوزانو ہو کر پاس بیٹھ گیا کچھ دیر بعد ہاشمی صاحب آئے اور غازی صاحب سے میرا تعارف کرایا تو غازی صاحب حیران و ششدر رہ گئے اور کہنے لگے کہ کتاب ''اتحاد امت'' پڑھنے کے بعد میرا یہی گمان تھا کہ اس کے مصنف نہایت ضعیف العمر باباجی ہوں گے جو کہ ہندوستان سے فارغ التحصیل ہوں گے۔ یہ کتاب بہت مقبول ہوئی اور جب ختم ہو گئی تو میرے پاس اتنی رقم نہ تھی کہ دوبارہ چھپوا سکوں تب دوست احباب نے قائم شدہ ادارہ ''حزب الاسلام'' کے تحت چندہ جمع کر کے کتب پرنٹ کرانے کا پروگرام بنایا۔ ایک دوست کو فنانس سیکرٹری بھی بنا دیا گیا اور یوں ادارہ نے ایک باقاعدہ شکل میں کام کا آغاز کیا۔ اس ادارہ کے تحت اب تک کئی کتب اور رسائل شائع ہو چکے ہیں اور چھپنے والی کتابوں کی تعداد کئی لاکھ تک پہنچتی ہے۔ آج کل ''نورالہدیٰ فاؤنڈیشن'' کے نام سے ایک نئے ادارے کو تشکیل دیا گیا ہے۔ جس کا سبب یہ ہے کہ حکومت یہود و ہنود سے بہت خوفزدہ ہے۔ ''حزب التحریر'' ''حزب اللہ'' وغیرہ جیسی جماعتیں جنہوں نے اسرائیل کو ناکوں چنے چبوائے ہیں اگرچہ ان کا مسلک جو بھی تھا۔ اس بناء پر یہ خیال کرتے ہوئے کہ اگر حکومت خدانخواستہ لفظ ''حزب'' پر ہی پابندی لگا دے تو پریشانی نہ پیدا ہو۔ سورۃ المائدہ کی 15 ویں یا 16 ویں آیت ''اللہ ان کو ہدایت دیتا ہے اندھیروں سے روشنی کی جانب۔ وہ تو نورِ ہدایت ہیں'' اس کے پیش نظر میں نے ادارے کا نام نورالہدیٰ رکھ دیا یعنی آقا کی ذات بابرکات اور ان کی جانب سے ہدایت نورالہدیٰ ایجوکیشنل کمپلیکس (زیر تعمیر) اس وقت یہ دونوں ادارے سرگرم عمل ہیں تقریباً ڈیڑھ ایکڑ جگہ ہے جو ادارے کے لئے وقف ہے۔

☆ اس ادارہ سے جو کتابیں اب تک چھپ کر منظر عام پر آ چکی ہیں ان میں سے چند کے نام بتانا پسند فرمائیں گے؟

✿ نماز کی کتاب ''مصباح الجنۃ''

معاشی و دنیاوی حالات کے اعتبار سے کتاب ''انسان درندہ کیوں''

''اسلامی جہاد کا فلسفہ و حقیقت''

ابلتا لہو

سازش کا انکشاف

مرزائیت کے موضوع پر ''دعوت انصاف''

حالات حاضرہ پر ''انجام گلستان''

اسی طرح کئی چھوٹے چھوٹے رسالے مزید بھی لکھے ہیں جن کی تعداد 14-15 ہے۔

☆ حکومت کی طرف سے مدارس کے نصاب میں تبدیلی کی باتیں کی جا رہی ہیں۔ آپ کیا سمجھتے ہیں کہ ایسا ہونا چاہیے؟

عالم کفر کی سازش یہی تھی کہ مسلمان قرآن کا مطالعہ سائنسی اور تحقیقی انداز میں نہ کریں

✿ مثبت تبدیلی سے کبھی بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اسلام دین فطرت ہے اس میں بہت زیادہ وسعت ہے۔ زمانے کے تغیرات کے ساتھ دینی معاملات چلانے کا انداز بدلنا غلط نہیں ہے۔ جس طرح مسجد میں کارپٹ بچھانا، پردے لگانا، لاؤڈ اسپیکر لگانا جائز ہے یہی مثال دوسرے امور کی ہے۔ اسلام کسی جمود والے دین کا نام نہیں ہے اس لیے تبدیلی میں حرج نہیں بشرطیکہ وہ مثبت ہو لیکن موجودہ دور میں حالات افسوسناک ہیں۔ آج صبح ہی میرے کچھ دوست جو گورنمنٹ سکول میں ٹیچر ہیں، بتا رہے تھے کہ ہیڈ ماسٹر نے سکول کی دیوار پر کلمہ طیبہ لکھا ہوا مٹوا دیا اور حکم دیا گیا کہ جو لکھنا ہے انگلش میں لکھ لو، بلکہ بچوں کو السلام علیکم کہنے سے سختی سے منع کر دیا اور حکم دیا کہ آئندہ سے ''گڈ مارننگ Good Morning'' کہا کرو۔ یہ تبدیلی صحیح نہیں ہے یہ حرام اور بدعت سیئہ ہے۔ اگر ایسی تبدیلی دینی مدارس میں کی جائے گی تو قطعاً قابل قبول نہیں ہوگی۔ دراصل قرآن مجید کائنات کے تمام علوم کا ماخذ ہے۔ ڈاکٹر کیتھل اور بورس بخائیکل جیسے مغربی سائنسدانوں کی مثالیں عام ہیں کہ جنہوں نے قرآن کا مطالعہ کیا تو اس کی علمیت سے متاثر ہو کر فوراً مسلمان ہو گئے اور مان گئے کہ یہ کلام کسی انسان کا نہیں خالق کائنات کا ہی ہے۔ جس نے 14 سو سال پہلے وہ راز افشاں کر دیے جس تک آج کی سائنس بھی نہیں پہنچ سکی۔ عالم کفر کی سازش یہی تھی کہ مسلمان قرآن کا مطالعہ سائنسی اور تحقیقی انداز میں نہ کریں بلکہ ایسا سوچیں بھی نہ اس لئے اس نے مسلمانوں میں تفرقہ بازی پیدا کر دی اور سائنس اور اسلام میں وسیع خلیج مائل کر دی ورنہ اگر آپ تاریخ پر نظر دوڑائیں تو جہاں مسلمان بہترین محدث اور مفسر تھے وہیں وہ بہترین سائنس دان بھی تھے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا، الزہراوی، امام فخر الدین رازی کو لے لیں، شیخ بوعلی سینا، جیسی عظیم شخصیات جو کہ محدث و مفسر ہونے کے ساتھ عظیم سائنس دان تھے، شیخ ابو القاسم الزہراوی کی کتاب ''کتاب التصریف'' آج تک یورپ کے اداروں میں میڈیکل کی ٹیکسٹ بک کے طور پر پڑھائی جاتی رہی ہے۔ انہوں نے سائنسی علوم قرآن ہی سے تو لیے تھے۔ قرآن علوم سائنسی کی تحصیل کا حکم دیتا ہے۔ مثال کے طور پر کلمہ طیبہ پڑھنے کے بعد پہلا فرض نماز ہے۔ نماز کی شرائط میں ایک شرط استقبال قبلہ (Direction of Qibla) ہے اب بتائیے جب تک آدمی جیومیٹری کی تعلیم ہی حاصل نہیں کرے گا، جغرافیے کا علم سمجھے گا ہی نہیں تو تب تک کیسے پتہ چلے گا کہ کعبہ کس طرف ہے۔ اسی طرح دوسری شرط ہے اوقات مقررہ پر نماز پڑھنا بتائیے کیسے پتہ چلے گا کہ سورج کتنے بج کر کتنے منٹ پر طلوع اور غروب ہوتا ہے جب تک بندہ تکوین کا علم فلکیات کا علم حاصل نہیں کر لیتا۔ ایسا شخص تو نہ روزہ رکھ سکے گا نہ افطار کر سکے گا۔ مسلمان کو علوم سائنس حاصل کرنے کا قرآن نے حکم دیا ہے۔ چنانچہ ان علوم کو اگر مدارس میں رائج کر دیا جائے تو اس کی مخالفت نہیں کی جا سکتی۔ میں خود اپنے ادارے میں بھی مروجہ دینی علوم کے ساتھ اسلامی تناظر میں جدید علوم پڑھانے کا اعلان کر چکا ہوں۔

> پاکستان واحد ملک ہے کہ جس میں دوسرا ملک آ کے تباہی و بربادی پھیلا کے چلا جاتا ہے اور ہم خاموش رہتے ہیں

☆ تنظیم المدارس کے موجودہ نظام سے آپ مطمئن ہیں؟

✿ اس سلسلہ میں یہ امر بہت ضروری ہے کہ کسی کا بھی لحاظ اور کسی قسم کی سفارش قبول نہ کی جائے۔ حقیقت میں کام کرنے والے افراد کو ہی آگے لایا جائے۔ صرف انہی طلبہ کو سند دی جائے جو واقعی صحیح معنوں میں اس ڈگری کے معیار پر پورا اترتے ہوں۔ تعلیم کو پرکھنے کا معیار صرف امتحان ہوتا ہے اس کے سوا کوئی دوسرا طریقہ نہیں ہونا چاہیے۔

☆ بعض لوگ پیر ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ طریقت اور ہے اور شریعت اور ہے؟ آپ کیا فرماتے ہیں؟

✿ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ہدایت عطا فرمائے۔ ایسا جملہ کہنے والوں کو تو شاید ان کے معانی بھی نہ آتے ہوں۔ طریق راستہ کو کہتے ہیں اور شریعت بھی راستے کو ہی کہا جاتا ہے۔ ایک لفظ شاہراہ ہوتا ہے۔ شاہ راہ یعنی سڑکوں کی بادشاہ سڑک، یہ فارسی زبان کا لفظ ہے۔ یعنی بڑی سڑک۔ ایک شارع ہوتا ہے مثلاً یہ شارع عام نہیں ہے۔ اس سے مراد ہوتا ہے راستہ۔ رسول کریم ﷺ شارع ہیں یعنی راستہ بتانے والے ہیں۔ شریعت اس راستے کو کہتے ہیں جس پر چلانے کے لئے رسول محتشم ﷺ تشریف لائے۔

طریقت، طریقہ سے ہے اس کا لفظی معنی یہ ہے کہ وہ اصول، قاعدے اور ضابطے جو رستہ پر چلنے کے لئے اپنائے جاتے ہیں، یعنی کہ رہنے کا طریقہ، اٹھنے بیٹھنے کا طریقہ، وہ اصول و قوانین جو ضابطہ حیات ہوتے ہیں انہیں طریقہ کہا جاتا ہے۔ تو مجھے بتایئے کہ کیا راستہ اور ہوتا ہے اور اس پر چلنے کا طریقہ اور ہوتا ہے؟ جب تک یہ دونوں ایک نہیں ہوتے کوئی راستے پر کیسے چل سکتا ہے؟ اس لیے شریعت اور طریقت کو علیحدہ علیحدہ قرار دینا کم علمی کی دلیل ہے۔ ''اثبات علم'' کتاب میں حضرت سہل بن عبداللہ کے حوالے سے حضور داتا صاحب بہت پیاری

تاریخ پر نظر دوڑائیں تو جہاں مسلمان بہترین محدث اور مفسر تھے وہیں وہ بہترین سائنس دان بھی تھے

بات نقل فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ دین اور ہے اور فقیری اور ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ان جاہلوں کو اس بات کا علم نہیں کہ جب تک عالم نہ ہوگا مسلمان ہی نہ ہوگا۔ بے علمی تو کفر ہے۔ جاہل کافر اور عالم مسلمان ہے۔ مثال یہ دیتے ہیں کہ بتاؤ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ علم ہے کہ نہیں ہے۔ یہ علم ہی ہے جب تک یہ علم نہ ہوگا اسلام کیسے آئے گا؟ پہلی وحی ''اقراء'' بھی علم ہی تھا۔ تخلیق آدم علیہ اسلام کے بعد انہیں فرشتوں پر جو فضیلت دی گئی اس کا سبب بھی علم ہی کو بنایا گیا۔ حضرت سلطان باہو کا شعر ہے

باجھ علم جو کرے فقیری

کافر مرے دیوانہ ہو

☆ ایسے کم علم افراد کو جو طریقت و شریعت کی بدنامی کا باعث بنتے ہیں ان کا سدباب کیسے کیا جا سکتا ہے؟

✿ ذمہ داری علماء کرام پر عائد ہوتی ہے۔ میں معاذ اللہ اولیاء کرام کی کرامات کا منکر نہیں ہوں۔ میں ایک تقریب میں گیا وہاں ایک خطیب صاحب ایک شعر پڑھ رہے تھے۔

شریعت اور طریقت کو علیحدہ علیحدہ قرار دینا کم علمی کی دلیل ہے

جے علم دین وچ کتاباں ہوندا۔۔۔۔۔ فلاں فلاں۔۔۔۔۔۔۔ یعنی ایسے اشعار پڑھ کر وہ ثابت یہ کرتے ہیں کہ یہ ایک جدا چیز ہے وہ ایک جدا چیز ہے۔ اس میں قصوروار بہت سے علماء اور خطباء بھی ہیں۔ ''الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون'' کی آیت کے مصداق اولیاء کی یہی عظمت و شان ہے کہ انہیں کوئی ڈر خوف نہیں ہوتا لیکن آخر وہ اولیاء ہوتے کیسے ہیں؟ ''الذین امنوا و کانو یتقون'' ان کی پہلی شرط ہے کہ وہ صاحب ایمان ہوتے ہیں اور وہ متقی ہوتے ہیں۔ متقی کی ایک شرط بخاری کے حوالے سے حدیث میں یہ کی گئی ہے کہ حلال بھی ظاہر ہیں حرام بھی ظاہر ہیں ان دونوں کے درمیان کچھ شبہ والی چیزیں ہوتی ہیں۔ متقی وہ ہے جو شبہ والی چیزوں سے بھی خود کو بچا کر رکھے۔ سوچئے پھر ولی کون ہوا؟ اس لئے جب تک کوئی متقی نہیں ہوگا ولی بھی نہیں ہوگا۔ ولی نہیں ہوگا تو شیخ بھی نہیں ہوگا۔

☆ حق کی تلاش کرنے والا آسان رستہ پوچھے تو کیا بتائیں گے؟

✿ میں نے اپنی کتاب ''اتحاد امت'' کے آخر میں بھی اس سوال کا جواب لکھا ہے کہ ہر فرقے سے تعلق رکھنے والا شخص حتیٰ کہ یہودی تک سے بھی پوچھ لو وہ اپنے آپ کو ہی سچا کہے گا۔ اگر بندہ اپنے دین کو سچا نہ سمجھتا تو آج تک ہندو نہ رہتا۔ اسی طرح سکھ اور دوسرے مذاہب اور فرقوں والے بھی۔ نبی کریم ﷺ نے کبھی اپنے ماننے والوں کو تہی دامن نہیں چھوڑا۔ بخاری میں حضرت جعفر بن عبداللہ ؓ فرماتے ہیں کہ رسول محتشم استخارہ فرمایا کرتے تھے ''استخارہ کرو''۔ میں کہتا ہوں کہ اگر آپ سچ اور جھوٹ کا فیصلہ خود نہیں کر سکتے تو تذبذب میں مت پڑیے۔ کسی مولوی کے پیچھے مت چلیے آپ خود اپنے اللہ سے پوچھیے کہ اے اللہ! جس راستے پر میں جا رہا ہوں کیا وہ صحیح ہے؟ آپ کو خواب میں پتہ چل جائے گا۔ یہی طریقہ میں بتایا کرتا ہوں جب میرے پاس کوئی ایسا دوست آئے جو تذبذب کی حالت میں ہو۔ اگر خواب میں آپ کو اپنے راستے کی سچائی کی دلیل مل جائے تو روز قیامت آپ عرض کر سکتے ہیں کہ اے اللہ میں نے تجھ سے پوچھا تھا۔

☆ مزارات اور عرس میں حاضری کے آداب۔۔۔۔۔۔؟

✿ ہر چیز کی حدود و قیود ہوتی ہیں۔ مزارات اور اعراس میں حاضری کی بھی حدود ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ ہمارے ملک میں پابندیاں بہت ہیں۔ پابندیاں نہیں ہونی چاہئیں میں کہتا ہوں کہ ایسا کہنا بالکل غلط ہے۔ مثلاً وقف کا مطلب ہوتا ہے ''رکنا'' ٹھہرنا۔ وقوف کا مطلب ہے روکنا، پابند ہو جانا اور بے وقوف کا مطلب ہوا جس پر کوئی پابندی ہی نہ ہو۔ پابندی تو عقل مندی کی دلیل ہوتی ہے۔ عقل کا لفظی معنی بھی باندھنا ہوتا ہے۔ عرب لوگ جو سر پر رسی سی باندھتے ہیں اسے عقال کہتے ہیں دراصل وہ اونٹ کا گھٹنا باندھنے کی رسی ہوتی ہے۔ بدو جب اونٹ کو بٹھاتے تو وہی رسی اس کے گھٹنے پر باندھ دیتے، جب سوار ہوتے تو سر پر باندھ لیتے اور اب یہ ان کا قومی نشان بن چکا ہے ''عقال سے عقل ہے''۔ اسلام حدود و قیود کے اندر ہے اسی چیز کا نام عقل ہے۔ حد سے جو باہر نکلے وہ بے وقوف ہو جاتا ہے۔ پانی حد کے اندر رہے تو ٹھیک ہوتا ہے حد سے باہر نکلے تو سیلاب بن کر زحمت بن جاتا ہے۔ یہی معاملہ مزارات پر حاضری کا ہے۔ مزار کا سجدہ اور طواف کرنا حرام ہے۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ چند قدم کے فاصلے پر کھڑے ہو کر رب کائنات کے حضور میں صاحب مزار کے لیے دعائے مغفرت کریں پھر ان کے وسیلہ سے اپنے لیے دعا مانگیں۔ یہ بہترین طریقہ ہے۔ حاضری میں جب ان حدود کو ترک کریں گے تو غلط ہوگا۔

مسلمانوں کو علوم سائنس حاصل کرنے کا قرآن نے حکم دیا

☆ صاحب مزار کی مغفرت کے لئے دعا کی نیت سے جانے کی بجائے ان کے بلندی درجات کی دعا کرنا زیادہ صحیح طریقہ نہیں ہوگا؟

✿ دراصل عموماً مغفرت کا صحیح معنی سمجھا نہیں جاتا۔ ''غفر'' کا لفظی معنی ڈھانپنا ہے۔ ''مغفر'' اس ٹوپی کو کہا جاتا ہے جو سر پر ہلمٹ کے طور پر لی جاتی ہے۔ بادام کے اوپر والے چھلکے کو ''غفر'' کا نام دیا جاتا ہے۔ جس نے بادام کے مغز کو اپنے اندر چھپا رکھا ہوتا ہے۔ آپ جانتے ہیں رسول اللہ ﷺ اپنے لیے دن میں ستر مرتبہ استغفار کیا کرتے تھے کیا وہ (نعوذ باللہ) اپنے گناہوں کی معافی طلب کیا کرتے تھے۔ کسی کے لیے مغفرت کی دعا کرنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اے اللہ اس شخص کے اوپر نیچے، دائیں بائیں اپنی رحمتیں ہی رحمتیں نازل فرما دے اور اسے اپنی رحمتوں سے ڈھانپ دے۔ درود بھیجنے کا بھی یہی مطلب ہے کہ اے اللہ رسول ﷺ پر اپنی رحمتیں نازل فرما۔ نتیجہ اللہ ہم پر دس سے ستر مرتبہ تک رحمتیں نازل فرماتا ہے۔

☆ سوات، جنوبی وزیرستان و دیگر علاقوں میں فوجی آپریشن کو کس نظر سے دیکھتے ہیں؟

✿ دنیا کا شائد پاکستان واحد ملک ہے کہ جس میں دوسرا ملک آ کے تباہی و بربادی پھیلا کے چلا جاتا ہے اور ہم خاموش رہتے ہیں۔ کیا دہشت گردوں کے سر پر سینگ اگے ہوئے ہیں کہ پتہ چل جاتا ہے کہ 2 دہشت گرد ہلاک ہوئے ہیں، کیا ان کی شکلیں کچھ اور طرح کی ہوتی ہیں؟ کیا ان کے کپڑے کسی اور طرح کے ہوتے ہیں۔ اگر ان کو معلوم ہے کہ فلاں کمرے کے اندر دہشت گرد موجود ہیں تو ان کے اپنے سکیورٹی والے یا پاکستانی سکیورٹی اداروں کو کیوں نہیں بتاتے کہ فلاں جگہ پر دہشت گرد موجود ہیں ان کو پکڑ لیں۔ تاکہ پتہ چلے کہ ان کی جڑیں کہاں تک جاتی ہیں، ان کی کڑیاں کن سے جا کر ملتی ہیں۔ کیا ایک دہشت گرد کے پکڑے جانے سے پورے کا پورا گروہ نہیں پکڑا جائے گا۔ ایسے شخص کو ہلاک کرنا چاہیے یا کہ پکڑنا چاہیے؟ وہ حملہ کر کے کہہ دیتے ہیں کہ ہم نے دہشت گردوں کو ہلاک کر دیا ہے کیا ثبوت ہے کہ وہ دہشت گرد تھے؟ کس طرح پتہ چلے گا کہ وہ دہشت گرد ہیں۔ اگر وہ واقعی دہشت گرد ہیں تو حکومت کو کیوں نہیں بتاتے؟ جس کو چاہتے ہیں ہلاک کر دیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ ہم نے دہشت گردوں کو ہلاک کر دیا ہے۔ اگر ان کو پتہ ہے کہ فلاں فلاں جگہ پر دہشت گرد موجود ہیں تو اسامہ تو ان کو آج تک نہیں مل سکا۔ گویا یہ ساری چیزوں کا ہے مگر یہ افراتفری صرف اور صرف اس وجہ سے پھیلانا چاہتے ہیں کہ ''معاذ اللہ ثم معاذ اللہ تعالیٰ'' پاکستان میں خانہ جنگی کی صورت حال پیدا ہو جائے۔ یہ چیزیں ایسی ہیں کہ جن کو ہم صرف محسوس کر سکتے ہیں۔ میرے آقا ﷺ کا فرمان ذیشان ہے کہ اگر تم برائی کو ہوتا دیکھو تو ہاتھ سے روکو، ہاتھ سے نہ روک سکو تو زبان سے روکو، اور اگر زبان سے بھی نہ روک سکو تو اس کو دل میں برا جانو ''ھوا ادف الایمان'' اور یہ ایمان کا کمزور ترین حصہ ہوگا۔ تو یہ تین سٹیپ ہیں ہم تو آخری سٹیپ پر عمل کر سکتے ہیں نا۔ ہم اپنے ہاتھ سے روک نہیں سکتے۔ تنہا نور الہدیٰ فاؤنڈیشن یا ادارہ حزب الاسلام ہی نہیں بلکہ ہر درد دل رکھنے والے نے اس کو محسوس کیا ہے اسی لیے میں نے اپنے دوستوں کو یہ تاکید کی ہے کہ وہ درود پاک کی کثرت کیا کریں۔ وہ کیوں کہا ہے اس لیے کہ حضور اکرم ﷺ کا فرمان ذیشان ہے کہ جو مجھ پر ایک مرتبہ درود پاک پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے اور دوسری حدیث پاک جسے امام احمد بن حنبل نے نقل فرمایا کہ مجھ پر درود پاک پڑھنے والے پر اللہ تعالیٰ 70 رحمتیں نازل فرماتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ دیگر دعائیں بھی چھپوائی ہیں اللہ کی رحمت کے حصول کے لئے۔ لفظ رحمت اپنے اندر بہت زیادہ وسعت رکھتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو جائے گی تو تمام معاملات درست ہو جائیں گے۔ اگر آپ بیمار کے لئے اللہ کی رحمت مانگیں گے تو اس کا معنی ہوگا کہ وہ درست ہو جائے۔ بے روزگار کے لئے رحمت کی دعا مانگیں تو معنی ہوگا روزگار مل جائے، مصیبت زدہ کے لئے رحمت کی دعا مانگیں گے تو معنی ہوگا مصیبت ٹل جائے۔ تو گویا اگر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوں گی تو ساری مصیبتیں ٹل جائیں گی۔

☆ حالیہ سوات آپریشن جو ہوا یا ''آپریشن راہ نجات'' جاری ہے اس کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟

✿ بات وہی ہے جو میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ اگر تو دہشت گردوں کو ہلاک کیا جاتا ہے تو بالکل صحیح ہے اگر دہشت گردوں کی آڑ میں دیگر عوام کو ہلاک کیا جاتا ہے تو غلط ہے۔ میں کسی کو الزام نہیں دیتا آپ دیکھیں الحمدللہ تعالیٰ دہشت گردوں میں اہل سنت و جماعت بریلوی میں سے کوئی بھی نہیں۔ ان میں دوسرے مسلکوں والے شامل ہیں۔

☆ اہل سنت و جماعت حنفی بریلوی کو دیگر مسالک پر کیا فوقیت حاصل ہے؟ کہ ہم بڑے فخر سے کہہ دیتے ہیں کہ ''ہم سنی ہیں''۔؟

سارے اپنے آپ کو سنی کہلاتے ہیں آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے۔ یہاں تک کہ اہل تشیع کی بڑی بڑی کتابیں پڑھیں تو وہ کہتے ہیں کہ ''دراصل ہم سنت والے ہیں'' ہم سنی ہیں۔ الحمدللہ تعالیٰ حضور اکرم ﷺ نے سنی کے لئے ہی نجات کا اعلان فرمایا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا تھا یا رسول اللہ ﷺ جب آپ کی امت کے کئی گروہ ہو جائیں گے تو کون صراط مستقیم پر ہوگا؟ رسول محتشم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو میرے اور

صرف انہی طلبہ کو سند دی جائے جو واقعی صحیح معنوں میں اس ڈگری کے معیار پر پورا اترتے ہوں

میرے صحابہ کے نقش قدم پر ہوں گے، جو میری سنتوں پر عمل کرنے والے ہوں گے۔ رسول اکرم ﷺ نے یہی تو ارشاد فرمایا تھا کہ میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کے جا رہا ہوں۔ ایک قرآن اور ایک اپنی سنت، اہل بیت اور اللہ کی کتاب۔ حدیث پر عمل غیر ممکن ہے سنت کا مطلب طریقہ ہوتا ہے۔ یہ رب کائنات کا طریقہ ہے جو رب کائنات نے اپنے بندوں کے لئے وضع فرمایا ہے۔ سنت نبی کے اس طریقہ کو کہا جاتا ہے۔ جو نبی نے امت کے لئے وضع فرمایا۔ ہر حدیث قابل عمل نہیں ہوا کرتی۔ حدیث کا مطلب ہے نبی کی گفتگو اور نبی کی ہر بات قابل عمل نہیں ہوتی۔ بعض مقامات پر انسان کافر ہو جاتا ہے۔ آپ حیران ضرور ہوئے ہوں گے میری اس بات سے تو میں یہ مثال دے کر آپ کو واضح کرنا چاہتا ہوں کہ حضور اکرم ﷺ پڑھا کرتے تھے "لا الہ الا اللہ انا رسول اللہ" یہ حدیث سے ثابت ہے اگر ہم یہ پڑھیں گے تو کافر ہو جائیں گے۔ تو ہمارے لئے کیا حکم ہے؟ یہی ہے کہ اس طرح سے پڑھو جیسے نبی نے پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ گویا سنت اور ہے اور محض حدیث اور ہے۔ قرآن پاک حضور ﷺ پر 23 سال نازل ہوتا رہا۔ 23 سال کے حضور ﷺ کے سارے کے سارے اقوال و افعال حدیثیں ہیں لیکن امت کے لئے جو طریقہ وضع کیا ہے اس کو سنت کہتے ہیں، اس لئے ہم فخر سے کہتے ہیں کہ ہم نبی کے طریقہ پر عمل کرنے والے ہیں اور جماعت کیا ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ تم پر لازم ہے کہ میرے اور میرے خلفائے راشدین کی سنت پہ عمل کرو۔ ایک چیز سنت سے ثابت ہے اور دوسری چیز جماعت سے ثابت ہے۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا زمانہ تھا آپ نے لوگوں کو جمع کر کے ارشاد فرمایا" دیکھو تم لوگ جو رسول اللہ ﷺ کے صحابہ اور آنے والے لوگ تمہارے نقش قدم پر چلیں گے۔ میں دیکھتا ہوں کہ نماز جنازہ کے لئے کوئی تین تکبیریں کہتا ہے، کوئی چار، کوئی پانچ اور کوئی چھ تکبیریں کہتا ہے۔ اس طرح آنے والے ادوار میں اختلاف پیدا ہو جائے گا۔ ہر شخص کے لئے اس کا شیخ، اس کا باپ، اس کا استاد، اس کے لئے معزز ہوتا ہے دوسرے کے لئے نہیں ہوتا۔ کوئی کہے گا کہ وہ میرا استاد تھا تم نے چار تکبیریں کیوں نہیں کہیں۔ دوسرا کہے گا کہ وہ تو علم میں بہت ہلکا تھا میں نے اس لئے تین تکبیریں کہی ہیں اس سے پہلے کہ اختلاف آگے بڑھ جائے۔ صحابہ کرام نے باہم مشورہ سے 4 تکبیروں پر صحابہ کرام کا اجماع ہو گیا۔ اس اجماع صحابہ کرام کا نام جماعت۔ ہم نبی کی سنت اور صحابہ کے اجماع کو مانتے ہیں اس لیے ہم اہل سنت و جماعت ہیں اور اسی بات پر ہمیں فخر ہے۔

☆ آپ کسی مذہبی یا سیاسی راہنما یا کسی لیڈر سے مرعوب ہوئے؟ یا کبھی دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ اگر اس کی جگہ میں ہوتا تو اس سے بہتر کام کرتا؟

✿ اس طرح کی خواہشات سے اللہ تعالیٰ نے مجھے دور ہی رکھا ہے۔ مجھے بعض دفعہ بڑے عہدوں کی پیشکش کی گئی جسے میں نے ٹھکرا دیا۔ اس لیے کہ بارگاہ رب العزت میں ہر بات کا جوابدہ ہونا ہے۔ مجھے ایک تمنا ہے اور آج بھی بڑی شدت سے ہے اور اس تمنا کو میں بطور دعا بھی مانگا کرتا ہوں کہ میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان ہو جاؤں۔ میں دعا مانگتا ہوں کہ میں ان کافروں کو ان بے دینوں کو سزا دے سکوں۔ کوئی ایسے سورس مجھے میسر ہو جائیں کہ میں ان دین کے دشمنوں کو سزا دے سکوں یہ جو امریکہ، اسرائیل، بھارت والے مسلمانوں کے ساتھ زیادتی کرتے ہیں تو میری دلی خواہش ہے کہ "اے اللہ تعالیٰ! میری جان، میری ساری اولاد، میرا سب کچھ تیری راہ میں قربان ہو جائیں۔ ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ عزت و عظمت عطا فرمائے۔ یہ تمنا میرے دل میں ضرور ہوتی ہے۔

☆ سیاست کا دین سے تعلق ہے۔ اہل سنت و جماعت کو سیاسی میدان میں رہنے کے لئے کیا کیا اقدامات کرنے چاہئیں؟

✿ اللہ تعالیٰ تمام علماء اہل سنت کی خیر فرمائے۔ میرا مقصد ان کی گستاخی نہیں بلکہ مشورہ دینا ہے۔ نہایت دکھ کے ساتھ کہوں گا کہ ہر کسی نے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنا رکھی ہے حالانکہ ضرورت اس امر کی ہے کہ آپس میں اتفاق اور اتحاد کی فضا کو قائم کیا جائے۔ دوسرے مسلک والوں کو آپ دیکھیں کہ شدید اختلاف کے باوجود وہ اکٹھے ہو جاتے ہیں، ہم معمولی اور نجی اختلافات کی بنا پر الگ الگ راستے اختیار کر لیتے ہیں، جیسا کہ میں نے پہلے بتایا کہ اہل سنت و جماعت کا کوئی بھی بڑا جلسہ ہو ہر چھوٹا جلسہ نہیں اس میں بغیر دعوت کے بھی چلا جاتا ہوں، اسی لیے میں کسی تنظیم میں باقاعدہ شامل نہیں ہوا کیونکہ اگر میں ہوتا ہوں تو ان کے منشور پر مجھے عمل کرنا پڑے گا اور مختلف پابندیاں عائد ہوں گی کہ فلاں سے نہیں ملنا، فلاں کے اسٹیج پر نہیں جانا۔ میری دلی خواہش ہے کہ اہل سنت و جماعت کی تمام تنظیمیں متحد ہو جائیں۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ یہ جو چھوٹے چھوٹے اختلاف ہیں فروعی اختلافات ان کو ختم کر دیا جائے۔ میری دلی خواہش ہے کہ علماء اہل سنت اکٹھے ہو جائیں جب یہ اکٹھے ہو جائیں گے تو عوام تو علماء کے پیچھے ہی ہیں نا تو پھر سارے ہی اکٹھے ہو جائیں گے۔

☆ اہل سنت و جماعت کی مختلف تنظیمیں سرگرم عمل ہیں۔ اتحاد اہل سنت کیلئے تنظیمات اہل سنت کے کام کو آپ کس نظر سے دیکھتے ہیں؟

✿ الحمد للہ اہل سنت و جماعت کی تمام تنظیمیں سیاسی، سماجی، تبلیغی سبھی درست کام کر رہی ہیں اور میں ان سب کے ساتھ ہوں۔ میں ہر پلیٹ

تمنا ہے کہ علماء شاہ جی کی طرح خلوص اور محنت کے ساتھ دینی کام کو سرانجام دیں

فارم پر جاتا ہوں میں سب کے ساتھ ہوں ان کو مفید مشورے بھی دیتا ہوں اور ان تمام کے اسٹیج پر جاتا ہوں۔ عقل اور ہوتی ہے اور قوت یادداشت اور۔ کسی کے پاس عقل تو کسی کے پاس قوت یادداشت۔ اگر ان دونوں کو ساتھ ملا لیا جائے تو تمام مسئلے حل ہو جاتے ہیں۔ نہ میں مذہبی تنظیم کا مخالف ہوں نہ سیاسی تنظیم کا بلکہ میں یہ چاہتا ہوں کہ اگر سیاسی تنظیم آگے آ رہی ہے تو سب کو اس کا ساتھ دینا چاہیے۔ دل میں یہ ہونا چاہیے کہ میں دین کی خدمت کر رہا ہوں اور رسول خدا کے دین کا پرچار کر رہا ہوں۔ دیکھیں اگر کوئی آدمی سیاسی طور پر آگے آتا ہے تو وہ کیا نافذ کرے گا؟ یہی نظام مصطفےٰ ہی نافذ کرے گا نا۔ جب سارے ایک ہی ہیں تو پھر ایک دوسرے کا دست و بازو بنیں۔ مسجد نبوی شریف کا امام وخطیب کون ہوتا تھا؟ جو وقت کا حاکم، خلیفۃ المسلمین ہوا کرتا تھا، تو سیاست دان سے الگ ہے نہیں۔ عام طور پر ہم مرغی استعمال کرتے ہیں کوئی عالم دین چھوٹا ہو یا بڑا مرغی کو حرام قرار نہیں دیتا۔ تو کیا مرغی ساری کی ساری ہم کھا لیتے ہیں؟ اس کے بال و پر الگ کرتے ہیں، اس کی آلائش الگ کرتے ہیں اور بقیہ حصہ کھا لیا جاتا ہے۔ کیا اس کی آلائش کی وجہ سے یا اس کے بال و پر کی وجہ سے مرغی کو حرام قرار دیا جا سکتا ہے؟ کیا اس سے نفرت کی جاتی ہے؟ اگر ان سب کے ہوتے ہوئے بھی اس سے نفرت نہیں کی جاتی۔ اُسے حرام قرار نہیں دیا جاتا۔ یہی حال دیگر حلال جانوروں، سبزیوں اور پھلوں کا ہے کہ ہم ان کے چھلکے وغیرہ اتار دیتے ہیں۔ کیا ان چھلکوں کی وجہ سے ہم ان کا خریدنا ترک کر دیتے ہیں؟ نہیں نا تو کیا ہم علماء کرام اتنا حوصلہ نہیں رکھتے کہ کامل ترین شخصیت تو حضور اکرم ﷺ کی ہے اور حضور کے علاوہ تو کامل کوئی بھی نہیں ہے تو کسی کے عیوب کو ہی نہ دیکھیں بلکہ اس کی کچھ نہ کچھ اچھائیوں کو بھی مدنظر رکھیں۔ اگر علمائے کرام اس چیز کو مدنظر رکھیں تو اتفاق و اتحاد کی فضا پیدا ہو سکتی ہے۔ سب اچھی اچھائی سرکار کی محبت ہے اگر یہ بات پائی جائے تو اختلافات دور ہو سکتے ہیں۔

☆ چیف ایڈیٹر ماہنامہ ''دلیل راہ'' اور مرکزی ناظم اعلیٰ جماعت اہل سنت پاکستان علامہ سید ریاض حسین شاہ سے آپ کی شناسائی کب سے ہے؟

✿ میں شاہ صاحب کے مداحوں میں شامل ہوں۔ اللہ تعالیٰ شاہ جی کے علم و عمل میں برکتیں عطا فرمائے آپ بڑی محبت اور اخلاص کے ساتھ دینی کام کو آگے بڑھا رہے ہیں۔ شاہ صاحب سے کئی مواقع پر ملاقات ہو چکی ہے۔ میرا ایک رسالہ ہے ''انسان درندہ کیوں؟'' شاہ صاحب کی طرف سے مجھے یہ پیغام ملا تھا کہ آپ اجازت دیتے ہیں کہ ہم اس کو چھپوا لیں۔ میں نے اجازت دے دی تو پھر مجھے شاہ جی کا خط موصول ہوا کہ کیا آپ اس کی تحریری طور پر اجازت دیتے ہیں کہ ہم اس کو چھپوا لیں۔ میں نے پھر تحریری طور پر اس کی اجازت دے دی۔ اللہ تعالیٰ شاہ جی کو لمبی عمر عطا فرمائے اور ان کو دین کی زیادہ سے زیادہ خدمات کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ تمنا ہے کہ علماء شاہ جی کی طرح خلوص اور محنت کے ساتھ دینی کام کو سرانجام دیں۔

☆ قارئین دلیل راہ کے نام کوئی آپ پیغام دینا چاہیں۔

✿ میں یہی پیغام دوں گا کہ رسول محتشم ﷺ کے دامن کرم کو مضبوطی کے ساتھ تھام لو اور اسی میں نجات ہے اس جہان میں بھی اور اگلے جہان میں بھی۔

☆☆☆

چل اوتھے چلیئے جتھے ہون سارے انّھے

حافظ شیخ محمد قاسم

جون کی سخت گرمی نے لگتا تھا زندگی کی رفتار مدہم کر دی ہے "لوڈ شیڈنگ" ویسے بھی پاکستان میں سیاسی لوگوں کی نالائقیوں کا جان لیوا عطیہ بنا ہوا ہے۔ ہر شخص بڑا ہو یا چھوٹا اس کی زندگی چل نہیں رہی رینگ رہی ہے۔ وسوسوں اور خدشات نے ذہنوں کو لوٹ اور بدنوں کو کوٹ کر رکھ دیا ہے۔ نفرتوں، خدشوں اور وسوسوں کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے ارادہ ہوا کہ آج جمعرات ہے داتا علی ہجویری علیہ الرحمۃ کے حضور حاضری دوں یقین ہے کہ امیدوں کے چمن میں داتا صاحب کی توجہ بہاروں کے نئے رنگ عطا فرما دے گی۔ معمول کے مطابق شاہ جی سے فون پر سفر کی اجازت لینا چاہی آپ نے فرمایا:

قاسم! میری انگلینڈ آمد سے پہلے مذہبی اجتماعات میں، زاویوں کے دروازوں پر، خانقاہوں کی حویلیوں اور مساجد کے صحنوں میں دہشت گردوں کی طرف سے لٹریچر چھوڑا گیا تھا کہ ہم قبوری شرک مٹانے کے لئے ان خانقاہوں سے حساب لیں گے۔ بہتر یہی ہے کہ داتا حضور کے ایصال ثواب کے لئے گھر ہی میں ختم شریف کا اہتمام کر لو پاکستان کے حالات اچھے نہیں اللہ تعالیٰ میرے وطن کی حفاظت فرمائے اور میری قوم کو عقل دے کہ وہ خیر اور شر کی پہچان اپنے اندر پیدا کر پائیں'۔

شاہ جی کا حکم سن کر میں نے آنکھیں بند کر لیں اور ساتھ ہی کسی اور دنیا میں پہنچ گیا۔ اندر کی دنیا جس میں سچائیوں اور اپنے پیاروں کا راج حکومتیں کرتا ہے۔ داتا صاحب نہ جاؤں تو کہاں جاؤں کاش! شاہ جی صاحب سے یہ پوچھ ہی لیتا دوبارہ شاہ جی کا نمبر ملایا اب کی بار شاہ جی پر جلال انداز میں بولے:

دھماکہ کرنے والے وہی انگریز
کے پرانے نوکر ہیں جنہوں نے
1857ء میں اپنی وفائیں سفید
چھڑی والوں سے نبھائی تھیں

کیوں؟

قاسم!

کیا ہے؟

فون ملائے جا رہے ہو میں ایک میٹنگ میں بیٹھا ہوں۔ فون خیالات کے سلسلہ کی قبر بن گیا اور میں نے یوں ہی شاہ جی کی خدمت میں عرض کی:

میرے خیال میں آپ اگر کچھ عرصہ انگلینڈ ہی میں قیام فرما لیں تو اچھا نہیں'؟

شاہ جی کی رگ ظرافت پھڑکی اور آپ نے فرمایا بقول بلھے شاہ تمہارا مشورہ یہی ہے:

اُٹھ بلیا چل اوتھے چلیے جتھے ہوون سارے انّھے
ناں کوئی ساڈی ذات پچھانے تے نہ کوئی سانوں منّے

"ساتھ ہی شاہ جی نے فرمایا جو رات قبر میں ہے وہ باہر نہیں آسکتی۔ جگہیں بدلنے سے کوئی فائدہ نہیں، اپنا وقت اگر اسے قیمتی سمجھتے ہو تو اللہ کی یاد میں بسر کرو۔ لیجئے اچھے وہی ہیں جو عبادت اور محبت میں کٹ جائیں اور اس کے ساتھ ہی لائن ڈراپ ہو گئی۔۔۔۔"

اس واقعہ کے بعد صرف ایک ہفتہ گذرا تھا کہ جمعرات کو رات کے ابتدائی حصہ میں کسی دہشت گرد نے ہوس کی آگ بجھانے کے لئے خود کش دھماکہ کر دیا پھر یکے بعد دیگرے دھماکوں اور دھویں نے پورے علاقے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ دہشت گردوں کا خیال تھا کہ ہم نے ایک عقیدے کی کمر توڑ کر رکھ دی ہے۔ خیال ہے دھماکہ کرنے والے وہی انگریز کے پرانے نوکر ہیں جنہوں نے 1857ء میں اپنی وفائیں سفید چھڑی والوں سے نبھائی تھیں اب وہ تازہ دم ہو کر دوبارہ سے کروفاؤں پر وفائیں نبھا رہے ہیں۔ داتا صاحب کل بھی زندہ تھے اور آج بھی زندہ ہیں۔ اس حادثہ خونچکاں کے بعد اگلے دن ہی لاکھوں فرزندان محبت نے داتا حضور کے وقار نشان گنبد کے سایے میں نماز ادا کر کے مسلک محبت سے وفا قائم رکھنے کا عہد تازہ کیا۔

میں خاک اور خون میں غلطیدہ وطن سے پیار میں ڈوبا ہوا سوچے جا رہا تھا کہ پردیس میں شاہ جی پر کیا گذری ہوگی فون پر مربوط ہونا چاہا لیکن بے سود۔

شاہ جی کا موبائل مسلسل مصروف جا رہا تھا۔ میں اپنے بارے میں محسوس کر رہا تھا کہ اس حادثہ نے مجھے نیم مجنون کر دیا ہے کبھی میں ٹی وی آن کرتا اور کبھی طبیعت کی افسردگی کے ہاتھوں اسے بند کر کے چپ سادھ لیتا۔ میری مادام نے مجھے بلایا اور کہا بیٹے ٹی وی پر داتا صاحب کے دربار پر ہونے والے حادثہ فاجعہ پر شاہ جی اظہار خیال فرما رہے ہیں۔ شاہ جی کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

سید علی ہجویری علم کا جلال، فقر کا جمال، ایمان کا نشان، عمل کا وقار اور دین مبین کے عہد آفریں رہنما ہیں۔ آپ کا مزار، خدا کی رحمتوں کا دروازہ ہے، یہاں "مفسدین فی الارض" نے جس ظلم، بربریت اور بہیمیت کا مظاہرہ کیا اور درجنوں لوگ شہید کئے، قابل صد مذمت

ہے۔ میں بلا تکلف کہوں گا کہ اسلام اور پاکستان ہمارے ایمان کا حصہ ہے، دو ہی قسم کے لوگ ہیں جو مفسدانہ اور ظالمانہ کوششوں سے اسلام اور پاکستان کو کمزور کر رہے ہیں۔

اسلام دشمن

اور

پاکستان دشمن

اہل عقدو کشا کو ان انسان نما درندوں کو بے نقاب کرنا چاہیے۔ عوام کو کھل کر بتایا جائے کہ فساد اور دہشت کی پشت پناہ ریاستیں کون سی ہیں۔ مزارات، مساجد اور امن کے نشانات برباد کرنے والے کون ہیں؟ قابل افسوس بات یہ ہے کہ ہماری حکومت دہشت گرد پکڑنے کی بجائے تتلیاں پکڑ رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ حقیقت سے بہت دور نکلتے جا رہے ہیں۔

شاہ جی نے مزید فرمایا:

ہم ملک اور مذہب مضبوط کرنے کی بجائے شخصیتیں مضبوط کر رہے ہیں۔ ہم مظلوم ہیں سوات سرحدی اور قبائلی علاقوں میں تین سو مشائخ کو شہید کیا جا چکا ہے۔ پیر بابا، رحمٰن بابا اور دیگر مشائخ کے مزاروں کی بے حرمتی ہو چکی ہے۔ اب داتا صاحب جو کچھ کیا گیا وہ لوگوں کے سامنے ہے۔ ہمیں بچایا جائے۔ میں سمجھتا ہوں بعض سچائیاں انتہائی تلخ ہوتی ہیں۔ بینائی سے محروم آدمی کو کانا کہیں تو اسے برا لگتا ہے لیکن بعض فرقے دہشت گردوں کی پناہ گاہ بنے ہوئے ہیں۔ ان درندوں کو پنجرے میں بند کیا جائے ورنہ کروڑوں سنی جب جذبات میں بے قابو ہو گئے تو گلیوں کی جنگ میں نجد کے پجاریوں کو بچانا دشوار ہو جائے گا۔

شاہ جی جذبات کے اُمڈتے سیلاب میں جیسے بہہ گئے ہوں۔

آپ نے تھرتھراتی آواز میں فرمایا:

چھوڑ دو۔
لوگ جیسے رہتے ہیں انہیں رہنے دو،
ان کی ماؤں نے انہیں آزاد جنا ہے

داتا مصطفوی عظمتوں کے امین ہیں، علوی نسبتوں کے پرچم بردار ہیں۔ حسنی تدبر کا روشن نشان ہیں۔ حسینی ایثار کی دعوت ہیں۔ فاطمی خون کی افق رنگ بلندی ہیں دعاؤں کا وقار ہیں۔ کربلا ان کی تاریخ ہے۔ داتا کا مینار قاسم رحمت ہے ابلیس کے غلاموں نے گنبد داتا کے سایے میں تاریخ کربلا کو حرکت دی ہے لیکن کل کا یزید جیسے لعنت کے حصار میں گرفتار ہوا، آج کے یزید بھی نار جہنم میں پہنچ جائیں گے۔

درِ داتا کشودہ نہیں کشودہ بھی ہے اور کشادہ بھی ہے۔ دل تو یہی تھا کہ شاہ جی کی تابندہ فکر اپنے حسن تکلم کے وسیلے سے خورشید کی طرح روشنی بکھیرتی رہے لیکن اے۔ آر۔ وائی کی سکرین مدد کرنے سے عاجز ہو گئی، لکھنے کے انداز میں بولنے والے شاہ جی اور بولنے کے اسلوب میں لکھنے والے شاہ جی کو میں یاد کرتا رہ گیا۔

طے می شود ایں راہ بدرخشیدن برقے
مابے خبراں منتظرِ شمع و چراغیم

شاہ جی کی یادیں تازہ کرنے کے لئے میں شاہ جی کے پروانے دوستوں کی ٹوہ لگانے لگ گیا۔ راولپنڈی ویسٹرج میں پنجاب رجمنٹ کی ایک پرانی سی مسجد ہے اس میں مجھے معلوم ہے شاہ جی کسی زمانے میں خطیب رہے اگلے دن شام کے وقت میں ویسٹرج کی طرف جا نکلا۔ فوجی جوان جہاں رہتے ہیں۔ ریت کے ذروں میں بھی پھول اگا لیتے ہیں اب تو اس مسجد کے سامنے کیاریوں میں متنوع قسم کے پھول اگا لیے گئے ہیں۔ ایک کیاری کے کنارے میں پھول سونگھنے میں مست ہو گیا۔ موتیا، چنبیلی اور گلاب عجب رنگ بکھیر رہے تھے۔ شام کی رسیلی ہواؤں نے پھولوں کی پتیوں کو گدگدایا لگا جیسے مجنون لیلیٰ کی زلفوں سے کھیل رہا ہے۔ میں سعدی کی طرح گل چینی میں مگن تھا کہ شام کا رنگ گہرا کالا ہونا شروع ہو گیا فوجی جوانوں کے کاشن ہو۔۔۔۔۔۔۔۔ شیا۔۔۔۔۔ رباش نے ذہن کو ہلا دیا۔

ساتھ ہی شام کے مؤذن نے میرے شبستان وجود میں قندیلیں روشن کرنی شروع کر دیں۔ نماز پڑھنے کے لئے پہلی صف میں جگہ ملی۔ امام نیا اور اجنبی تھا اور میرے دائیں بائیں نماز پڑھنے والے مسلمان اور قابل احترام تھے لیکن مجھے آج اچھی طرح محسوس ہو رہا تھا جیسے میں پرانے شاہ جی، جوان شاہ جی اور پُر جلال شاہ جی کی اقتداء میں نماز پڑھ رہا ہوں۔ نماز کے بعد میں مسجد سے باہر نکلا تو وہ پرانا اور بوسیدہ فوجی کوارٹر نظر آیا جس میں اڑتیس سال پہلے شاہ جی رہ چکے تھے۔ میں یہاں کے در و دیوار میں کھب سا گیا۔ ڈیوٹی پر مامور فوجی نوجوان نے قدرے تمکنت اور پُر رعب انداز میں مجھ سے پوچھا آپ کون ہیں؟ میں نے قدرے توقف کے بعد اپنی طبعی کمزوری کا علاج کر لیا اور شاہ جی

میں دیوانگی کے عالم میں شاہ جی کی شخصیت کے سمندر میں دور تک نکلتے نکلتے جھکنے کا نام نہیں لے رہا تھا

کی یادوں کو مجسم کر کے پر رعب انداز میں جواب دیا آپ سے پہلے یہاں رہنے والے ایک شخص بلکہ ایک کاروان کو یاد کر رہا ہوں۔ فوجی جوان کہنے لگا وہ کون؟ میں نے کہا شاہ جی" کون شاہ جی؟ فوجی جوان نے کہا"!۔۔۔۔ میں نے کہا" وہ شاہ جی" جن کی خطابت کے سامنے میں یہاں کی شامیں اداس نہیں تھیں۔ یہاں کی مسجد کی فضا میں اڑنے والے پرندے بھی سرشار نظر آتے تھے جی ہاں وہ سید زادہ جس کے سامنے جرنیل بھی دم بخود بیٹھتے۔ وہ عزت، غیرت، حمیت اور علم و عمل کا پیکر جس کے آباؤ اجداد نے صدیوں اسلام کے چمن کو خون جگر سے سینچا ہے۔ میں دیوانگی کے عالم میں شاہ جی کی شخصیت کے سمندر میں دور تک نکلتے نکلتے تھکنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ ایک وجیہہ اور دبدبہ دار شخصیت نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے ساتھ لے کر اپنے دفتر میں بیٹھانے کا عندیہ دیا۔ فوجیوں کے سپاٹ سلوٹوں سے اندازہ ہوا کہ مجھے ساتھ لے جانے والے کوئی فوجی افسر ہیں چائے پلاتے ہوئے انہوں نے تعارف کروایا کہ میرا نام کرنل فلاں ہے۔ میں شاہ جی کا شاگرد ہوں اور ہم وہ خوش قسمت لوگ ہیں جنہوں نے خزاں کے موسم میں شاہ جی کے چمن میں بہاریں دیکھی ہیں ساتھ ہی اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور اب کرنل صاحب میرا نام جان چکے تھے فرمانے لگے قاسم! شاہ جی نے ہم پر بڑی محنت کی، ہم بیس بچے شاہ جی سے پڑھا کرتے تھے ایک اس وقت جرنیل ہے، دو بریگیڈیئر ہیں، ہم دو کرنل ہیں۔ ایک کمشنر بنا۔ باقی کا مجھے علم نہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ شاہ جی قائد نہیں مصلح ہیں، انہوں نے ہمارے اندر اعتماد اور یقین کی دولت چھوڑی ہے میں نے کہا شاہ جی کی کوئی خاص بات سنائیں۔ کرنل صاحب فرمانے لگے چار سال شاہ جی کی صحبت میں رہا ایک فرض نماز بھی میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ اللہ کے فضل سے میں نے نہیں چھوڑی۔ اُن کی معیت میں شب بیداری، ذکر کی محفلیں، ترجمہ قرآن کی کلاسز، اعتقادی پختگی کی تلقینات اور محنت محنت کے اسباق اور سب سے بڑھ کر حب الوطنی کے دروس شاہ جی کا دیا ہوا سرمایہ ہے۔ ایک لطیفہ سنتے چلیے۔ ہماری ایک بٹالین کے کمانڈنگ آفیسر اپنی تقریر میں مودودی کی تعریف کر بیٹھے۔ شاہ جی آپ جانتے ہیں نظریاتی اعتبار سے ٹھیٹھ، پکے، باعمل سنّی ہیں مداہنت آپ نے سیکھی ہی نہیں تقریر میں فرمانے لگے:

ایک مرتبہ ایک چڑا چڑیا کے سامنے اپنی طاقت جتانے کے لئے کہنے لگا میں چاہوں تو تخت سلیمان کو اپنے پر سے ادھر ادھر کر دوں سلیمان علیہ السلام نے چڑے کو دربار میں طلب کر کے بے ادبی پر باز پرس کی اور کہا تو چیز کیا ہے اور دعوے کتنے بڑے کرتا ہے۔ چڑا عرض کرنے لگا اے اللہ کے رسول، میں کہاں اور آپ کا تخت کہاں۔ ہمیں اپنے گھر والوں پر تو رعب جمانے دیں۔ مہربانی فرمائیں۔

شاہ جی نے کہا یہ صاحب جاہل آدمی ہے۔ انہیں کیا معلوم دین کیا ہوتا ہے۔ یہ اپنے گھر والوں پر رعب جمانے کے لئے مطالعے کی ھونس رچا رہے ہیں۔ سلیمان علیہ السلام نے تو چڑے کو اجازت دے دی تھی لیکن میں اس چڑے کو اجازت نہیں دیتا کہ آپ کا دین خراب کرے اور آپ کو ایسی راہ لگائے جس سے آپ کا جذبہ حب الوطنی مجروح ہو۔

کرنل صاحب کی وساطت سے ویسٹریج ۔۔۔۔۔۔ میں میجر ریٹائرڈ لہراسب سے ملاقات ہوئی۔ قصداً ان کے گھر چلا گیا وہاں ان کے گھر میں شاہ جی کی آدم قد تصویر دیکھی میرا مغالطہ سمجھ کے کہہ بیٹھا" آپ کو بھی شاہ جی سے عقیدت ہے"

تایا لہراسب فوجی کھرے انداز میں بولے" عقیدت نہیں دشمنی"۔ اس شخص نے مجھے کہیں کا نہیں چھوڑا۔ ایک زمانے میں اس سے قرآن پڑھا تھا۔ اس کی موٹی موٹی آنکھوں نے مجھے گرویدہ کر دیا پہلے سمجھا تھا اس کے پاس صرف زبان کا جادو ہے جب اس لڑکے نے اوگی جا پہنچایا۔ پتہ چلا یہ کچھ اور ہی چیز ہے۔ ایک دن لالہ جی صاحب نے کہا میرے بعد سب کچھ اسی کو سمجھنا۔ لالہ جی کے بعد اس کی تصویر بنا کر گھر میں سجالی۔ ایک دن خواب میں آیا اور کہا تصویر توڑ دو پھر میں تمہارے گھر آؤں گا۔ وہ زمانہ اور یہ زمانہ وہ گھر نہیں آیا میں نے تصویر نہیں توڑی۔ میں نے شاہ جی کی انگلینڈ سے واپسی پر ماجرا عرض کیا اور ایک دن شاہ جی تصویر توڑنے میجر لہراسب کے گھر جانے کے لئے میری گاڑی پر سوار ہوئے، ویسٹریج پہنچے تو پتہ چلا لہراسب کا گھر کرایہ کا تھا چھوڑ کر کہیں اور چلے گئے ہیں شاہ جی فرمانے لگے:

قاسم!

لہراسب کہاں ہے؟

تم خواب دیکھنے چھوڑ دو۔ لوگ جیسے رہتے ہیں انہیں رہنے دو، ان کی ماؤں نے انہیں آزاد جنا ہے۔ یہ آزادی بہتر ہے۔

میں نے عرض کی لیکن شاہ جی تایا لہراسب تو محبت والے آدمی ہیں وہ کہاں گئے۔ شاہ جی! سب ادھر ہی ہوتے ہیں کس نے کدھر جانا ہے۔ زندگی راز ہے۔ اس میں بہت ساری باتیں پنہاں ہیں کسی کی آنکھیں بند کرنے کی دیر ہوتی ہے راز خود کھل جاتے ہیں اور کتنے ہی لہراسب بند کمروں سے کھلے میدانوں میں آجاتے ہیں۔

ایک دن تایا لہراسب کو ایک شیشہ فروش کی دکان پر دیکھا شاہ جی کی تصویر ایک نئی فریم میں آراستہ کرا رہا تھا۔ میں نے جوں ہی کہا" اوتایا

لہراسپ" وہ ایک بڑی سی لٹھ لے کر میرے پیچھے بھاگا میں بچ تو گیا لیکن آپ بھی جان لیجئے ،اب کی بار تایا لہراسپ کا حلیہ عجیب سا بنا ہوا تھا۔ لمبی لمبی زلفیں، بے کنگھی داڑھی، میلے اور بوسیدہ کپڑے ،مری روڈ پر تصویر بغل میں اور ہاتھ فضا میں لہراتے ہوئے نظروں سے غائب ہو گیا۔ آخری لفظ جو میں نے اس کی زبان سے سنے تھے کچھ ایسے:

مجھے تنگ کرتا ہے اپنے اَنے کی محفل کو غور سے دیکھتا نہیں کیسے کیسے لوگ اس میں آتے ہیں اور کس کس روپ میں ہوتے ہیں تم پنج تنیوں کو خبر نہیں کیوں چھیڑتا ہے اب جا کر قلم کا چپہ چلائے گا۔ حیدری علی! علی! علی۔ اللہ اللہ اللہ

☆☆☆

تحریر و تفتیش:
صاحبزادہ محمد سعید احمد بدر قادری

کھول کر آنکھیں مرے ''آئینہ گفتار'' میں
''آنے والے دور'' کی دھندلی سی اک تصویر دیکھ!

صاحبزادہ محمد سعید احمد بدر قادری المعروف بہ سعید بدر معروف سینئر صحافی ہیں۔ انہوں نے مختلف قومی اخبارات، رسائل اور جرائد میں خدمات سرانجام دی ہیں۔ وہ صحافی ہونے کے ساتھ ساتھ نعت نگار بھی ہیں۔ کچھ عرصہ وہ ماہنامہ دلیل راہ کے ایڈیٹر بھی رہے ہیں۔ گزشتہ ماہ سے انہوں نے ماہنامہ ''دلیل راہ'' میں ''حالات حاضرہ واقعات کے آئینہ میں'' کے عنوان سے لکھنے کا آغاز کیا ہے جن میں قومی، ملکی اور بین الاقوامی حالات پر روشنی ڈالی جائے گی اور دلچسپ تجزیہ و تبصرہ پیش کیا جائے گا۔ ''دلیل راہ'' کے قارئین کے لئے یہ ایک نیا اور دلچسپ اضافہ ہے۔ امید ہے کہ اس سلسلہ سے قارئین کرام کی معلومات میں اضافہ ہوگا اور وہ اس کو پسند کریں گے۔ (ادارہ)

تحریک ناموس مصطفیٰ کا طویل اور شدید احتجاج

کم و بیش پانچ ماہ ہونے کو آئے ہیں کہ امریکہ، برطانیہ، ڈنمارک اور سویڈن میں ہمارے رسول کریم ورحیم ﷺ کی شان میں گستاخیاں کرنے اور دل آزار خاکے، کارٹون وغیرہ چھاپنے والوں کے خلاف پاکستان کے ہر شہر، ہر قصبہ اور ہر قریہ و آبادی میں تحریک احتجاج چل رہی ہے۔ ہر کوچہ و بازار میں جلسے ہو رہے ہیں، بڑے بڑے جلوس نکل رہے ہیں۔ ہمہ گیر ہڑتالیں ہو رہی ہیں اور دیگر مختلف طریقوں سے صدائے احتجاج بلند کی جارہی ہے۔ اہل مغرب کے درد دل رکھنے والوں سے مطالبہ کیا جارہا ہے کہ وہ دل آزار خاکوں کے تخلیق کرنے والوں کو عبرتناک سزائیں دلوائیں۔ متعلقہ ممالک کے سفیروں کو پاکستان سے اخراج کا حکم جاری کیا جائے نیز ان ممالک کے ساتھ تجارتی و معاشی بائیکاٹ کیا جائے۔"

اہل یورپ اور اہل امریکہ آزادی اظہار و بیان کے نام پر کبھی تو رسول کریم وعظیم کی شان میں گستاخی کے مرتکب ہوتے ہیں، نازیبا کارٹون اور خاکے چھاپتے ہیں، کبھی دل آزار مضامین، کبھی قرآن کریم کی بے حرمتی اور کبھی قرآن پاک کے متن میں تحریف کر کے اسے ویب سائٹ پر لے آتے ہیں۔ کبھی کعبۃ اللہ کی شبیہ میں ایسے ہوٹل اور ریسٹورانٹ تعمیر کرتے ہیں جہاں فحش اور غلیظ حرکات کی جاتی ہیں اور عریانی اور بے حیائی پر مبنی کام کئے جاتے ہیں۔ ان کا مقصد وحید صرف یہ ہوتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح مسلمانوں کی دل آزاری کی جائے اور انہیں اشتعال دلایا جائے۔

ان کی غلیظ حرکات یہیں تک محدود نہیں اب تو یہ لوگ پوری پلاننگ کے ساتھ "تعصب" کی آگ بھڑکا رہے ہیں۔ پہلے فرانس میں حجاب اور برقعہ کے استعمال پر پابندی لگائی گئی، اب سپین کے بعض علاقوں میں یہی عمل دہرایا جارہا ہے۔ سوئٹزر لینڈ جس کے بارے میں دعویٰ کیا جاتا ہے کہ وہ دنیا کا خوب صورت ترین ملک ہے اور وہاں ہر دین و مذہب اور قبیلہ و قوم کے لوگ بلاکسی امتیاز کے رہ سکتے ہیں۔ وہاں ان کے قلبی تعصبات اور بغض و عناد کا یہ عالم ہے کہ وہاں کی حکومت نے مساجد کے میناروں پر بھی پابندی لگا دی ہے۔ مساجد کے میناروں پر پابندی عائد کرنے والا یہ پہلا "مہذب ملک" ہے۔

گویا آہستہ آہستہ پورے یورپ میں تنگدلی پر مبنی اس "تعصب" کو ہوا دی جارہی ہے۔ اس کے باوجود ان کا دعویٰ ہے کہ "یہ لوگ مہذب اور متمدن ہیں اور ان کی تہذیب دنیا کی تمام تہذیبوں سے اعلیٰ و برتر ہے جس کی تقلید کی جانا چاہئے"۔ اس کے مقابلہ میں یہ لوگ مسلمانوں کو جاہل، گنوار اور اجڈ تصور کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ مسلمان اپنی عورتوں پر ظلم روا رکھتے ہیں۔ انہیں بے حجابانہ گھومنے پھرنے اور چلنے پھرنے کی آزادی کا حق نہیں دیتے۔ گویا عورت کو "شمع محفل" بننے سے روکتے ہیں اور پردہ و حجاب کو روا رکھتے ہیں۔

اہل مغرب کی اپنی "رواداری" کا یہ عالم ہے کہ وہ ایک طرف تو کتوں اور بلیوں کے ساتھ انسانوں سے بڑھ کر "پیار" کا اظہار کرتے ہیں، ان کی ذرا سے تکلیف پر ان کا دل "پسیج" جاتا ہے لیکن دوسری طرف عراق میں لاکھوں مرد و زن اور بچے بوڑھے قتل کر دیے جاتے ہیں، ان کے گھر جلا دیئے اور ان کو بے گھر کر دیا جاتا ہے لیکن ان کے دلوں پر اثر نہیں ہوتا۔ افغانستان میں 9 سال سے آتش و آہن کا خوفناک سلسلہ جاری ہے۔ دس لاکھ افراد روس نے شہید کئے اور اب امریکہ اور یورپ کی افواج نیٹو کے نام پر افغانستان میں تباہی و بربادی پھیلا رہی ہیں۔ مسجدوں پر بمباری کی جاتی ہے۔ شادی و بیاہ کی تقریبات کو بموں سے اڑا دیا جاتا ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ لوگ انسان نہیں ہیں؟ کیا ان کے انسانی حقوق نہیں؟ کیا صرف گوروں ہی کو دنیا میں رہنے کا حق حاصل ہے اور کالے زندہ نہیں رہ سکتے؟ کیا یہ آدم و حوا کی اولاد نہیں؟ پاکستان میں ڈرون حملوں کے ذریعے روزانہ سینکڑوں بے گناہ مارے جاتے ہیں جن میں بچے، بوڑھے اور خواتین بھی شامل ہوتی ہیں۔ ان شہید ہونے والے ہزاروں لوگوں میں مرنے والے دہشت گردوں کی تعداد انگلیوں پر گنی جاسکتی ہے لیکن اس ظلم و استبداد پر امریکہ کی مہذب رائے عامہ کو شرم نہیں آتی۔

پاکستان میں آئے دن کے احتجاج کے پیش نظر پچھلے دنوں لاہور ہائی کورٹ نے 31 مئی تک "فیس بک" نامی ویب سائٹ پر پابندی لگا دی۔ عام لوگ بے حد خوش ہوئے۔ عاشقان رسول نے اس اقدام کو پسند کیا لیکن ایسے بھی بدبخت تھے اور ہیں جنہوں نے یہ کہا کہ اس سے "علم و آگہی" کے سرچشمے بند ہو گئے ہیں۔ خواہ یہ علم و آگہی آپ کے دین، آپ کے عقیدہ، آپ کے ایمان کو گمراہ کرنے کا باعث بن رہی ہو۔

بر ایں عقل و دانش بباید گریست

حال ہی میں بہاولپور کے ایک شخص نے ہائی کورٹ میں درخواست دی ہے اور بتایا ہے کہ مختلف ویب سائٹس پر تحریف شدہ مواد پر مبنی

قرآن پاک پیش کر کے سادہ دل لوگوں کو گمراہ کیا جا رہا ہے۔ جس پر ہائی کورٹ نے فوری نوٹس لیا اور حکومت سے کہا ان چینلوں اور سائٹس پر پابندی عائد کی جائے، چنانچہ سات سے نو چینل بند کر دیئے گئے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ سڑکوں پر احتجاج کرنے، جلسے اور جلوس کرنے، یا ہڑتالیں کرنے سے یہ بدبخت اور نابکار لوگ اپنی مذموم حرکتوں سے باز آجائیں گے؟ صورت حال گواہ ہے کہ یہ لوگ ان "حربوں" سے مان کر دینے کے نہیں۔ اگر ان کے سینوں میں "دل" ہوتے تو یہ لوگ احتجاج سے ضرور اثر قبول کرتے، مگر یہ لوگ الٹا ہمیں تنگدل اور جذباتی اور "غیر مہذب" ہونے کا طعنہ دیتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ "لاتوں کے بھوت" باتوں سے نہیں مانا کرتے۔ تاریخ شاہد ہے کہ ان کا علاج غازی علم الدین شہید جیسے لوگوں کے خنجر میں پوشیدہ ہے۔ رسول محتشم ﷺ کے عہد مبارک کی مثالوں سے ثابت ہوتا ہے کہ ان تمام گستاخوں کی سزا "سزائے موت" ہے۔ ہم کالم کی طوالت کے خوف سے ان واقعات کی مثالیں پیش کرنے سے قاصر ہیں جن کے مطابق گستاخی کے مرتکب افراد کے سر قلم کر دیئے گئے۔ ان لوگوں کے بارے میں انگریزی کا مقولہ ہے:

"Kick the jack and he will kiss you, Kiss the jack and he will kick you"

اینٹ کا جواب پتھر سے دینا ضروری و لازم ہے۔ یہ لوگ "مکالمات اور مذاکرات" میں یقین نہیں رکھتے۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا:

ہو صداقت کے لئے جس دل میں مرنے کی تڑپ
پہلے اپنے پیکر خاکی میں جاں پیدا کرے

یا پھر بقول مولانا ظفر علی خاں:

نہ جب تک کٹ مروں میں خواجہ بطحا کی حرمت پر
خدا شاہد ہے کامل میرا ایمان ہو نہیں سکتا

فرد ہو یا قوم، پہلے ہمیں "طاقتور" بننا ہوگا۔ بقول "قرآن پاک اپنے گھوڑے تیار رکھنا ہوں گے۔" آہن سے مسلح ہونا ہوگا ورنہ پھر کمزوری کا نتیجہ "ذلت و خواری" ہے۔ گستاخ رشدی کے خلاف برسوں پہلے ایران کے فتوئی کے باوجود وہ "زندہ" ہے۔ یہ ہے ہماری غیرت و حمیت کا عالم یاد رکھئے! دنیا میں صرف غیرتمند قومیں زندہ رہتی ہیں۔

برطانیہ میں حال ہی میں تہذیب کے علمبرداروں نے ایک مسلمان کا گھر جلا دیا جس سے ایک عورت شہید اور اس کا دیور شدید زخمی ہو گیا لیکن برطانوی پولیس نے اسے پرکاہ کے برابر اہمیت نہیں دی۔ اگر ایسا واقعہ کسی عیسائی کے خلاف پاکستان میں رونما ہو جاتا تو مغرب کا پورا پریس اور "میڈیا" حرکت میں آجاتا اور آسمان سر پر اٹھا لیتا، ہماری بے حسی کا یہ حال ہے کہ تا حال برطانیہ میں مقیم ہمارے سفیر واجد شمس الحسن نے برطانوی حکومت سے احتجاج تک نہیں کیا، وزیر خارجہ شاہ محمود قریشی، جو سجادہ نشین ہیں اور مذہبی رہنما بھی ہیں انہوں نے پاکستان میں برطانوی سفیر کو طلب کر کے احتجاج تک ریکارڈ نہیں کرایا۔

؎ مگر یہ راز آخر کھل گیا سارے زمانے پر
حمیت نام ہے جس کا گئی تیمور کے گھر سے

☆☆☆

پاک امریکہ کمزور تعلقات اور پاکستان خطرے میں

ساؤتھ ایشیا سنٹر کے ڈائریکٹر شجاع نواز نے حالیہ جاری کردہ تحقیقاتی رپورٹ میں "کمزور پاک امریکہ تعلقات پاکستان خطرے میں" کے عنوان سے لکھا ہے کہ امریکہ اور پاکستان اگر افغان جنگ کے لئے مل کر کام نہ کر سکے تو پاکستان کے اندر جاری جنگ میں شکست ہو جائے گی۔ انہوں نے کہا کہ "پاکستان بدستور خطرے میں ہے"۔ یاد رہے کہ امریکہ کے تھنک ٹینکس کی ہر رپورٹ کی تان اسی بات پر ٹوٹتی ہے۔

اس تحقیقاتی رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ جنگ کے بارے میں امریکہ اور پاکستان کے مقاصد مختلف ہیں لیکن وہ جب بات کرتے ہیں تو مشترکہ اہداف کی کرتے ہیں۔ جہاں تک امریکہ کا تعلق ہے تو وہ ایک ایسے مستحکم افغانستان سے اپنی فوج کی محفوظ واپسی کا خواہاں ہے جہاں القاعدہ اور طالبان پھر سے نہ ابھر سکیں۔ البتہ پاکستان کی خواہش ہے کہ وہ ملک میں جاری شورش سے اپنے ملک کو محفوظ و مامون کر سکے جبکہ

س دوران میں وہ مشرق میں موجود اپنے ازلی دشمن بھارت پر محتاط نظر رکھنا چاہتا ہے۔ (جس کے ساتھ اب تک اس کی تین چار جنگیں ہو چکی ہیں) بڑھتی ہوئی داخلی مجبوریوں کے باعث معلوم ہوتا ہے کہ جیسے اس کا رنگ چڑھ رہا ہے اور حقائق دونوں کے مابین پالیسیوں پر اثر انداز ہو رہے ہیں۔

رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ پاکستان نے پالیسیوں کو تبدیل کر لیا ہے لیکن اس کے لئے وسائل مہیا کرنا ہوں گے جو اسے امریکا بین الاقوامی مالیاتی اداروں اور دیگر احباب سے درکار ہیں۔ مزید براں اسے چند اہم کاموں کو خود سے نمٹانا ہوگا۔ ان میں پاکستان میں سیاسی نظام کی ترتیب نو، اقتصادی ترجیحات کا دوبارہ سے تعین اور اقتدار واقعی عوام یا عوامی نمائندوں کو لوٹانا ہے۔

رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ صدر آصف علی زرداری کے پاس موقع ہے کہ وہ تدبر کا مظاہرہ کریں کیونکہ وہ اگرچہ ملک کے آئینی سربراہ ہیں لیکن ان کے پاس اب وہ اختیارات نہیں ہیں جو انہیں اپنے فوجی پیشرو سے ورثے میں ملے تھے۔ یہ کرنے کے لئے انہوں ایک فعال اور طویل المدتی اتحاد بنانا ہوگا، اپنی ترجیحات کو دوبارہ سے متعین کرنا ہوگا تا کہ ان کے نتیجے میں غیر ملکی سرمایہ کاری ملک میں آ سکے، اس کے علاوہ صدارتی نظام سے پارلیمانی نظام میں تبدیلی کا عمل مکمل کریں اور ملک کی آبادی میں اپنے حوالے سے پایا جانے والا عمومی منفی نقطہ نظر تبدیل کریں۔ رپورٹ میں پاکستان کی ضروریات کے حوالے سے کہا گیا ہے کہ یہ فوری نوعیت کی ہیں اور امریکا کو پاکستان کی فوجی و اقتصادی امداد بڑھانا چاہئے، سول نیوکلیئر معاملے پر سودے بازی شروع کی جائے اور پاکستان میں توانائی کے بحران کے خاتمے کے لئے بڑے پیمانے پر انفراسٹرکچر بنانے کے لئے امریکی خصوصی نمائندے کی کوششوں کی حمایت کی جائے، ان محاذوں پر فوری عمل میں سستی سے پاکستان میں موجود اس خیال کو مزید تقویت ملے گی کہ امریکا پاکستان کے کردار اور علاقے کی صورتحال کے حوالے سے ویسا سنجیدہ نہیں ہے جیسا اس کے رہنما کہتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ شکوک وشبہات رکھنے والے افراد کا موقف ہے کہ امریکا کے مذموم مقاصد ہیں اور پاکستان میں اس کا مفاد محض مختصر مدتی ہے۔ رپورٹ میں مزید کہا گیا ہے کہ 1990ء میں پاکستان اور اس کی مقتدر مثلث صدر، وزیر اعظم اور آرمی چیف تھے، اب ایسا لگتا ہے کہ ایک نئی مثلث سامنے آرہی ہے اور یہ مثلث صدر، فوجی چیف اور چیف جسٹس پر مشتمل ہے۔ اخباری میڈیا بھی اس میز کی چوتھی ٹانگ بن گیا ہے اگرچہ یہ چیز بھی ایک حقیقت ہے کہ 60 سے زائد نشری چینلز کا شور بعض اوقات معاملات پر کوئی واضح تصویر پیش کرنے کے بجائے کنفیوژن ہی پیدا کرتا ہے۔ اوبامہ حکومت کی 18 ماہ کی کارکردگی کا جائزہ لیتے ہوئے رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ امریکی حکومت نے خطے کے لئے نئی امریکی پالیسی کا اعلان کیا تھا اور پاکستان وافغانستان کے لئے ایک خصوصی نمائندے کا تقرر کیا گیا اور اس مقصد کے لئے رچرڈ ہالبروک کو سامنے لایا گیا، لیکن چند ضائع شدہ مواقع اور اس سے پہلے کے چند اقدامات نے ہالبروک کی اس صلاحیت کو نقصان پہنچایا جو افغان مسئلے کو حل کرنے کے لئے ضروری تھی، مثال کے طور پر وائٹ ہاؤس نے ایران کے لئے ایک علیحدہ نمائندے کا تقرر کر دیا تھا اور اس طرح افغانستان کے ایک اہم علاقائی کھلاڑی کو حساب کتاب سے ہی نکال دیا گیا اور پھر بھارت کے دباؤ کے سامنے جھکتے ہوئے بھارت کو ان ممالک کی فہرست سے نکال دیا گیا جنہیں ہالبروک کی سرگرمیوں کا محور بننا تھا، مزید برآں ایک ردعمل پاکستان کے اندر سے بھی آیا۔ یہ ردعمل پاکستان کی سول اور فوجی رہنماؤں کی جانب سے پاکستان کو افغانستان کے برابر قرار دیئے جانے پر ہونے والی مایوسی کی وجہ سے پیدا ہوا، پاکستانی رہنما افغانستان کو ایک ایسا ملک تصور کرتے ہیں جو ان کی نسبت بہت کمزور ہے، بیرونی دنیا سے رابطے کے لئے اس کی فوجی اور اقتصادی بقاء کا انحصار بھی پاکستان پر ہے۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ امریکا نے اگرچہ واقعتاً پاکستان کے لئے امدادی پیکج کا اعلان لوگر بل کی صورت میں کیا تاہم ارکان کانگریس اور ارکان سینٹ نے اس پر اصولوں اور شرائط کا اتنا بھاری بوجھ لادتے ہوئے اس قانون سازی کی روح بدل دی اور پاکستانیوں کی نظر میں یہ امداد کے بجائے کنٹرول کا قانون بن گیا ہے۔ مزید برآں پاکستان کے اندر بھی ایک داخلی تصادم فروغ پا رہا تھا یہ کشمکش حکومت اور فوج کے مابین اس امر پر تھی کہ داخلی جنگ اور شورش سے کس انداز میں نمٹا جائے اور امریکا سے کیسے تعلقات استوار کئے جائیں، ہالبروک سمیت امریکا کو پاکستان کی مقتدر فوجی قیادت کے ساتھ اس معاملے پر الجھنا پڑا جو کہ امریکا سے تعلقات کے حوالے سے موجودہ اور ماضی کے کردار پر عوامی تنقید کی بابت زیادہ حساس ہے۔ کیری لوگر بل نے فوجی تحفظات کو سامنے لا کھڑا کیا ہے۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ امریکی کانگریس کے عملے کا موقف ہے کہ اس حوالے سے پاکستان کے سینئر عہدیداروں بشمول پاکستان کے آرمی چیف کو آگاہ کر دیا گیا تھا لیکن اس وقت کوئی منفی رائے نہیں ملی، تاہم ایک مرتبہ جب کیری لوگر بل منظور کر لیا گیا اور یہ صدر اوبامہ کی میز پر پہنچ گیا تو پھر پاکستانی فوج نے بل پر اپنے تحفظات بیان کرنا شروع کر دیئے لیکن پھر بھی اس نے یہ معاملہ سول حکومت پر چھوڑ دیا کہ امریکا سے معاملات وہی طے کرے، نجی طور پر بری فوج کا موقف یہ ہے کہ اس نے اپنے تحفظات پاکستانی حکومت کے ساتھ شیئر نہیں کئے، چنانچہ ان عوامی تحفظات اور اس

بیان بازی کو تقویت ملی جو پاکستانی سیاست کے امریکا مخالف عناصر بیان کرتے ہیں، اس حوالے سے ملک کے بڑے شہروں میں پاک امریکا اتحاد پر تنقید کے لئے اجتماعات منعقد کئے گئے اور ملک کے میڈیا میں ایک منظم مہم بھی چلائی گئی۔ کیری لوگر بل جس میں دونوں بڑی امریکی پارٹیوں کے ارکان کی حمایت حاصل ہے وہ پاکستان میں یکا یک پاکستان کی مخالفت کی علامت بن گیا، ایسی ہی علامت جیسی 1985 میں منظور کی گئی بدنام پریسلر ترمیم ایک دور میں بنی تھی۔ پاکستانی تنقید کے ڈنک کے باوجود امریکی کانگریس نے اسے منظور کرنے پر رضامندی کا اظہار کیا لیکن یہ اب بھی مناسب نہیں تھی، تاہم اس کے استعمال کی ذمہ داری پاکستان کی تھی۔ رپورٹ میں انکشاف کیا گیا ہے کہ امریکا نے 2002 تا 2011 کے لئے پاکستان کو کھلے بندوں سلامتی کے حوالے سے جو امداد دی اس کی مجموعی مالیت 4.4 ارب ڈالر ہے۔ سی ایس ایف ٹرانسفر کوئی امداد نہیں تھی، یہ وہ اخراجات تھے جو پاکستان نے کئے تھے اور امریکا کو یہ ادا کرنا تھے۔ دراصل یہ وہ اخراجات ہیں جو افغانستان میں جنگجوؤں کے خلاف پاکستانی فوج کی جانب سے امریکا کو دی جانے والی سہولیات اور خدمات پر آئے تھے ان کی مالیت 7.2 ارب ڈالر تھی۔ دریں اثناء اس عرصے میں مجموعی اقتصادی معاونت 6 ارب ڈالر رہی۔ چنانچہ کھلے بندوں دی گئی پوری امداد 10.4 ارب ڈالر سے زائد نہیں اور یہ بھی 9 برس کے عرصے میں دی گئی پھر جب اسے افغانستان میں ہونے والے سالانہ 30 ارب ڈالر سے موازنہ کیا جائے تو یہ رقم بہت کم محسوس ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ پاکستانی فوج میں بھی اس کم مائیگی کا احساس پایا جاتا ہے جو امریکا پاکستانی ضروریات کے حوالے سے اختیار کئے ہوئے ہیں۔ امریکا کی جانب سے افغان طالبان کے خلاف پاکستان کی ہچکچاہٹ کے بارے میں شکوک عام ہیں، ایک ایسے دور میں جب امریکیوں نے پاکستانی فوجی قیادت کے ساتھ مضبوط ذاتی تعلقات استوار کئے اس دور میں بھی پاکستان کے نچلے درجے کے عہدیداروں میں پاکستان اور خطے سے امریکی کمٹمنٹ کے بارے میں شکوک برقرار ہیں، دلچسپ امر یہ ہے کہ سی ایس ایف پروگرام کے حوالے سے نہ تو پاکستان میں کسی نے بات کی اور نہ ہی امریکا میں کسی نے اس سے تعرض کیا۔ سی ایس ایف وہ پروگرام تھا جس پر جنرل مشرف نے عجلت میں رضامندی کا اظہار کیا تھا اور اسی عجلت نے افغانستان میں امریکا کی خاطر پاکستانی فوج کو ”کرائے کے لئے تیار“ بنا دیا۔ ہر برس جب اس حوالے سے اخراجات کی ادائیگی ہوتی ہے تو پاکستانی فریق میں مایوسی کی ایک نئی لہر دوڑ جاتی ہے۔ رپورٹ میں مزید کہا گیا ہے کہ پاکستان اور امریکا کے مابین تنازع کا ایک بڑا نکتہ پاکستانی فوج کی جانب سے افغان طالبان، جلال الدین حقانی اور گلبدین حکمت یار کے خلاف پاکستانی آپریشنز کی کمی تھی۔ پاکستان نے مقامی طالبان اتحادیوں کے خلاف جامع نوعیت کی کارروائی کی لیکن اس کے بعد ایک لکیر کھینچ دی ہے۔ اب پاکستان کی فوج کا کہنا یہ ہے کہ اس کے پاس نہ تو اتنی افرادی قوت ہے اور نہ ہی اتنا اسلحہ و ہتھیار جو افغان طالبان کے خلاف کارروائی کے لئے ضروری ہے (اس مقام پر پاکستانی فوج کا یہ موقف زمینی حقائق غلط ثابت کرتے ہیں فوج کے پاس شمالی اور جنوبی وزیرستان میں خاصی تعداد میں فوجی موجود ہیں لیکن یہ اس لئے سوات طرز کے آپریشن سے مجتنب ہے کہ اس سے بے گھر افراد کا ایک اور سیلاب آ نے گا۔ اس کے بجائے مربوط سرچ آپریشن ممکنہ ہیں اور حالیہ ہفتوں میں اس طرح کے آپریشن شروع کردیے گئے ہیں، پاکستانی فوج کے پاس اب بھی اس حوالے سے اسلحہ اور ہتھیاروں کی کمی ہے، جن میں ہیلی کاپٹرز، جدید ترین جارز اور رات کو دیکھنے والے آلات شامل ہیں۔ مزید برآں افغان طالبان نے بڑے استقلال سے اس امر کی کوششیں کی ہیں کہ ان کا ٹکراؤ کہیں پاکستانی فوج سے نہ ہو پائے، دریں اثناء امریکیوں میں یہ تاثر مضبوط ہوا ہے کہ پاکستان افغان طالبان کی فعال طریقے سے حمایت کر رہا ہے اور افغانستان میں ان کے آپریشنز کی مدد کر رہے ہیں، یہ وہ جگہ ہے جہاں دونوں ”اتحادیوں“ کے مابین ایک وسیع خلا نظر آتا ہے۔ امریکا میں بہت سے لوگ محسوس کرتے ہیں کہ پاکستان اور امریکا کبھی تزویراتی پارٹنرز نہیں ہوسکتے کیونکہ یہ محض عارضی بندوبست تھا۔ اسلام آباد کی قائداعظم یونیورسٹی کے رفعت حسین کا کہنا ہے کہ وہ ایک ہی بستر پر ہیں لیکن دونوں کے خواب جدا جدا ہیں، رفعت حسین ماضی میں امریکا میں پاکستان کے سفارتخانے میں بھی کام کرچکے ہیں۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ کہ پاکستان علاقوں کے اندر امریکی ڈرون حملوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کی وجہ سے یہ انقطاع تعلق کو مزید سنگین کرتا جارہا ہے۔ اس موقف میں پناہ لیتے ہوئے کہ فاٹا کے علاقے ناقابل حکومت علاقے ہیں، امریکی سی آئی اے اور فوج طالبان اور القاعدہ کے اہداف پر زیادہ سے زیادہ ڈرون حملے کر رہے ہیں۔ اپنے دفتر میں پہلے 6 ماہ کے دوران اوباما انتظامیہ نے پاکستان کے اندر اتنے حملے کئے جتنے بش حکومت نے 2008ء کے پورے ایک سال کے دوران کئے تھے۔ حکومت پاکستان نے ان حملوں کے خلاف کھلے عام احتجاج جاری رکھا ہوا ہے اور اس نے ان ڈرون پروازوں پر زیادہ کنٹرول کی خواہش کا اظہار کیا ہے جو کہ حملے کر رہے ہیں، لیکن اس کے بجائے ایسی رپورٹس سامنے آئیں جن میں پاکستان کی جانب سے ایئر فیلڈز اور لاجسٹک سپورٹ کے حوالے سے ایسی خفیہ معاونت کی رپورٹس سامنے آئیں جن میں افغان بارڈر کے نزدیک پریڈیٹرز ڈرون حملوں کے لئے پاکستانی امداد کا تذکرہ تھا۔

☆☆☆

6 سالہ دہشت گرد بچی

امریکہ، جمہوری، فوجی اور ٹیکنالوجی کی ترقی کے اعتبار سے بہت مضبوط ملک تصور کیا جاتا ہے۔ روس کی شکست وریخت کے بعد وہ واحد عالمی سپر پاور بھی ہے۔ اس کے فوجی حملوں نے پہلے ویت نام کوریا جیسے ممالک میں ظلم وستم کے پہاڑ توڑے اور اب وہ عراق وافغانستان میں امن وامان کے قیام کے نام پر یہی کچھ کر رہا ہے۔ اندازہ ہے کہ اس کے بعد پاکستان کی باری ہے جس پر کئی برسوں سے اس کی نظر کرم ہے۔ بالواسطہ مداخلت اور ملک میں انتشار انگیزی کا کام شروع ہو چکا ہے۔ چھوٹے سے ملک میں پاکستان میں قائم سفارت خانہ اتنا وسیع عریض ہے کہ مثال نہیں ملتی۔ مکینوں کی تعداد میں ہزاروں تک کا اضافہ کیا جا رہا ہے۔ بلیک واٹر اور ''بلیک زی'' جیسی رسوائے زمانہ دہشت گردی کرنے والی تنظیمیں الگ موجود ہیں جن کے کارکن پورے ملک میں دندناتے پھرتے ہیں۔

اتنے طاقتور، باجبروت، وسائل سے مالا مال اور فوجی طاقت میں نمبر ایک ملک کے خوف وہراس کا یہ حال ہے کہ اس کی ''ہوم لینڈ سیکورٹی'' نے 6 سالہ بچی کا نام دہشت گردوں کی فہرست میں شامل کر لیا ہے۔

غیر ملکی خبر رساں ادارے کے مطابق 6 سالہ بچی کے بھارتی نژاد، والد لیکن امریکی شہری ہونے کے حقدار، ڈاکٹر سنتوش تھامسن نے امریکی ٹی وی ''نیوز فاکس'' سے گفتگو کرتے ہوئے بتایا ہے کہ ''انہوں نے اپنی فیملی کے ہمراہ، امریکہ کے اندر سفر کرنے کے لئے ہوائی جہاز کے ٹکٹ کی خرید کے لئے ٹکٹ ایجنٹ کو اپنے کاغذات دئے تو اس نے انکشاف کیا کہ ''ان کی 6 سالہ کمسن بچی الیسہ (Alyssa) نامی ہوم لینڈ سیکورٹی میں دہشت گردوں کی فہرست میں شامل ہے۔ انہوں نے پریشانی، حیرانی اور سخت اضطراب کی حالت میں کہا کہ ''ان کے لئے یہ اطلاع موت کے صدمے سے کم نہ تھی'' وہ حیران تھے کہ امریکہ جیسے تہذیب وتمدن اور انسانی حقوق کے علمبردار ملک میں ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ وہ حیران تھے کہ ان کی 6 سالہ بچی، تو ایک چڑیا بھی نہیں مار سکتی، وہ دہشت گردی بھلا کیسے کرے گی؟ اور اس بے چاری سے امریکہ کی با جبروت حکومت کو کیا خطرہ لاحق ہو سکتا ہے؟ ڈاکٹر سنتوش نے کہا کہ انہوں نے ''ہوم لینڈ سیکورٹی'' کے محکمے کے حکام سے رابطہ کیا تاکہ بچی کا نام دہشت گردوں کی فہرست سے نکالا جائے لیکن انہوں نے ایسا کرنے سے بالکل انکار کر دیا۔

ٹرانسپورٹ سیکورٹی انتظامیہ کے ترجمان نے ''فاکس نیوز'' سے بات چیت کرتے ہوئے کہا کہ ''دہشت گردوں کی فہرست سیکورٹی کی اہم دستاویز ہے، جس کے ذریعے دہشت گردوں کو سفر سے روکا جا سکتا ہے'' حضور بجا فرمایا آپ نے لیکن آپ کے سر میں کہیں عقل وخرد نام کا مادہ موجود ہے تو اس نے آپ کو بتایا ہوگا کہ 6 سالہ کمسن بچی دہشت گرد نہیں ہو سکتی۔ دہشت گردوں کی فہرست کا تتبع کرتے ہوئے آپ ''مکھی پر مکھی مارنے'' کا عمل سرانجام ضرور دے رہے ہیں لیکن یہ نہیں سوچ رہے کہ آپ کی اس حماقت سے اس بچی، اس کے والد اور فیملی کے دیگر افراد کے نہ صرف احساسات وجذبات مجروح ہوئے ہوں گے بلکہ ان کے بنیادی انسانی حقوق بھی متاثر ہوئے ہوں گے جن کی پاسبانی کا امریکی حکومت اور معاشرہ دعویدار ہے۔ گویا پڑھے لکھے جاہل پاکستان جیسے تیسری دنیا کے ممالک ہی میں موجود نہیں، امریکہ جیسے مہذب ملک میں بھی دندناتے پھرتے ہیں بلکہ بڑے بڑے سرکاری عہدوں پر فائز بھی ہیں۔

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے

دراصل 9/11 کے واقعات کے بعد، امریکی حکومت کے عمال اور عوام الناس پر ''دہشت گردی کا'' بھوت سوار'' ہے جس کی وجہ سے انہوں نے ایسے بے مثال قوانین وضع کر کے نافذ کر رکھے ہیں کہ وہاں عدالتیں بھی ان میں دخل نہیں دے سکتیں۔

☆☆☆

بجلی کے نرخوں میں 7.46 فی صد اضافہ کی ''نوید روح فرسا''

''عوام کی ہمدرد، خیر خواہ'' اور عوام کے ووٹوں سے منتخب حکومت نے یکم جولائی سے بجلی کے نرخوں میں فی صد اضافہ کر دیا ہے۔ یہ اضافہ 100 یونٹ استعمال کرنے والوں کے لئے 29 پیسے فی یونٹ ہوگا، 101 سے 300 یونٹ تک 44 پیسے اور 301 سے 700 یونٹ تک 72 پیسے فی یونٹ ہوگا'' عوامی جمہوری اور منتخب حکومت زندہ باد ستم ظریفی ہے کہ یہ ''اضافہ'' فیول ایڈجسٹمنٹ کے علاوہ ہوگا۔ یاد رہے کہ ماہانہ فیول ایڈجسٹمنٹ کے تحت، پہلے ہی عوام کی کمر توڑ کر رکھ دی گئی ہے۔ چار پانچ ماہ قبل جن کا بل ہزار یا 1500 روپے ہوا کرتا تھا، وہ اب

8،7 ہزار سے کم نہیں۔ ایک صارف نے بتایا کہ اس کا بل پونے آٹھ ہزار آیا ہے جبکہ وہ صرف ایک بلب اور ایک پنکھا چلاتا ہے۔ وہ شخص نہ ''کولر'' چلاتا ہے اور نہ اے سی، البتہ دو کمروں پر مشتمل اس کا ایک کرایہ دار کولر ضرور چلاتا ہے۔

اس سے قبل اخبارات لکھ رہے تھے کہ اضافہ 6 فی صد ہوگا اور اس کا اطلاق یکم اپریل سے ہوگا۔ حکومت نے اپنے عوام پر ''خاص الخاص'' ''رحم'' کرتے ہوئے اور ''اظہار ہمدردی'' کے طور پر گزشتہ تین ماہ کا بل نہیں ڈالا اور کہا ہے کہ یہ ''لوڈ شیڈنگ'' کی وجہ سے ہے جس حکومت نے اس ظالمانہ ''لوڈ شیڈنگ'' کے باوجود آٹھ، آٹھ اور نو نو ہزار کے بل بھیجے، ان کا یہ کہنا مذاق سے کم نہیں کہ ''لوڈ شیڈنگ'' کی وجہ سے نرخوں کا اطلاق یکم اپریل سے نہیں کیا گیا، حالانکہ لوڈ شیڈنگ کی وجہ سے بل کم آنا چاہئیں تھے۔ سابق وزیر اعظم اور فرینڈلی حزب اختلاف کے رہنما اور مسلم لیگ (ن) کے لیڈر میاں محمد نواز شریف نے بجلی کے نرخوں میں حالیہ اضافہ کو ''ظالمانہ'' اور ''عوام کے ساتھ زیادتی'' قرار دیا ہے اور اسے واپس لینے کا مطالبہ کیا ہے، لیکن ان کی بھلا کون سنتا ہے؟ 16 کروڑ عوام کی نہ سننے والے ایک ''لیڈر'' کی بات بھلا کیوں مانیں گے؟

کہا گیا ہے کہ گیس اور بجلی کے نرخوں میں یہ اضافہ بجٹ خسارے کو کم کرنے کے لئے کیا گیا ہے۔ حیران کن امر ہے کہ وزیر خزانہ نے اس اضافے کا نئے بجٹ میں ذکر نہیں کیا۔ گویا یہ ''نیا بجٹ'' ہے۔

آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا؟

حقیقت یہ ہے کہ گیس اور بجلی کے بلوں میں اضافہ آئی ایم ایف (انٹرنیشنل مانیٹری فنڈ) کے دباؤ پر کیا جا رہا ہے جس نے دھمکی دے رکھی ہے کہ اگر یہ اضافہ نہ کیا گیا تو پاکستان کو ''امداد'' بند کر دی جائے گی۔ دلچسپ امر یہ ہے کہ درحقیقت یہ امداد ''واجب الادا قرض'' ہے جسے بھاری سود کے ساتھ وصول کیا جائے گا، لیکن اسے بظاہر ''امداد'' کا نام دیا جا رہا ہے۔ سابق وزیر اعظم شوکت ترین نے حکومت کی ایما پر آئی ایم ایف سے طویل مذاکرات کے بعد یہ ''قرض'' منظور کرایا تھا۔ اس وقت اسے وزیر اعظم شوکت کی ''زبردست کامیابی'' قرار دیا گیا کیونکہ حکومتی ذرائع کا کہنا تھا کہ پاکستان ''دیوالیہ'' ہونے کے قریب تھا اور اگر ''یہ قرضہ اس کی کمزور رگ معیشت'' میں شامل نہ کیا گیا تو اس کے خون کی حرکت (خدانخواستہ) بند ہو جائے گی۔

یہ الگ بات ہے کہ ''ان بھاری قرضوں'' سے آج تک مجبور و بے کس عوام کی حالت نہیں بدلی۔ اندازہ ہے کہ پاکستان کے ذمے 36 ارب ڈالرز کا قرض ہے جو قوم نے بھاری سود سمیت ادا کرنا ہے لیکن خطیر رقم پر مبنی قرضوں کے باوجود پاکستان کا عام شہری پہلے سے زیادہ غریب اور مفلس ہے۔ اس کو دو وقت کا کھانا بھی میسر نہیں۔ اقوام متحدہ کی حالیہ رپورٹ کے مطابق'' پاکستان کے 60 فی صد افراد معیار زندگی سے نچلے درجے کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں، گویا ان کی آمدنی اس قدر قلیل ہے کہ وہ اس سے اپنا اور بیوی بچوں کا پیٹ نہیں بھر سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ ملک میں خودکشیاں اور خود سوزیاں عام ہیں۔ مصدقہ اعداد و شمار کے مطابق گزشتہ سال 250 افراد نے خودکشی کی ہے۔ غریب لوگ، فاقہ کشی سے تنگ آ کر کبھی ٹرین کے آگے لیٹ کر زندگی ختم کر لیتے ہیں اور کبھی زہر کھا کر حتیٰ کہ بعض لوگوں نے تو اپنے جگر گوشوں کو ''فروخت'' کے لئے بھی پیش کر دیا ہے لیکن اس کے باوجود حکومت کے اللے تللے ختم نہ ہوئے۔ غیر ملکی مہنگے دورے بدستور جاری ہیں۔ باہر جا کر مہنگے ترین ہوٹلوں میں ٹھہرا جاتا ہے اور وزیر اعظم اپنے ساتھ ساتھیوں کی ''فوج ظفر موج'' لے کر جاتے ہیں۔ سابق وزیر اعظم شوکت عزیز تو تین سو کے قریب افراد کو حج پر اپنے ساتھ لے گئے۔ اعتراض ہوا تو کہہ دیا کہ ''میں نے اخراجات اپنی جیب سے ادا کئے ہیں'' ان کی رخصتی کے بعد، پارلیمینٹ میں ایک سوال کے جواب میں حکومتی ترجمان نے بتایا کہ ''یہ کروڑوں روپے سے سرکاری خزانہ سے ادا کئے گئے'' فضول خرچی کی انتہا کا یہ عالم ہے کہ وزیر اعظم کی کابینہ میں 60، ستر کے قریب وزراء شامل ہیں اور ڈھٹائی کا یہ عالم ہے کہ اپنی ہی منظور کردہ اٹھارہویں ترمیم کے بعد اٹھارہ بیس سے زیادہ محکمے ''صوبوں کی تحویل'' میں دیے جا رہے ہیں لیکن ان محکموں سے وابستہ وزراء کی فراغت کا سوال سامنے آیا تو جواب دیا گیا کہ اس پر عمل درآمد، اگلے انتخابات کے بعد ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ تمام دولت اور اس کے وسائل کا ارتکاز ایک مخصوص اور محدود طبقہ کے ہاتھ میں ہو گیا ہے جس میں چند بیوروکریٹس، چند سیاست دان، بڑے بڑے صنعت کار اور چند جرنیل شامل ہیں۔ پورے ملک کے وسائل یعنی 98 فی صد وسائل و ذرائع پر ان کا مکمل قبضہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ چینی جو 32 روپے کلو بک رہی تھی، اس کی قیمت میں اضافہ ہوا تو سپریم کورٹ نے نوٹس لیا لیکن ''چینی کے اجارہ داروں'' نے حکومت کی ملی بھگت سے اسے ''ناکام'' بنا دیا اور چینی اب 35 روپے کی بجائے 65 روپے کلو بک رہی ہے۔ یہی حال دیگر اشیاء کا ہے۔ دال معمولی جنس ہے۔ کسی زمانے میں لوگ کہا کرتے تھے کہ ''دال کھا کر گزارہ کر لیں گے'' لیکن اب دالیں بھی ڈیڑھ، دو سو روپے فی کلو تک بک رہی ہیں، اب کیا کھا کر گزارہ کریں گے۔ 15، 16 روپے کلو والا آٹا چالیس روپے کلو فروخت ہوتا ہے، حالانکہ کہا جاتا ہے کہ ہمارے ہاں اس سال گندم کی پیداوار ضرورت سے زیادہ تھی اور پنجاب حکومت

اسے برآمد کرنے کے لئے وفاق سے اجازت مانگتی رہی ہے جو نہ مل سکی۔

پاکستان میں دور دور تک یہ امکان نظر نہیں آتا کہ کبھی غریب کی حالت بھی بدلے گی۔ حکمرانوں اور مقتدر طبقہ کو یہ احساس ہی نہیں کہ وہ ''غلط'' کر رہے ہیں۔ پنجاب کے وزیر اعلیٰ نے کئی بار انتباہ کیا ہے کہ اگر طبقہ امرا نے اپنی چال نہ بدلی تو ملک میں ''انقلاب'' آ جائے گا اور اب روز بروز کی ڈکیتیاں، چوریاں تاوان کے لئے اغوا کی روزانہ وارداتیں اس امر کا بین ثبوت ہیں کہ لوگ ''امرا'' کے گلے تک اپنے ہاتھ پہنچانے ہی والے ہیں۔ ان امرا کو زعم ہے کہ وہ پرویز مشرف کی طرح ملک سے باہر بھاگ جائیں گے۔ سوال ہے کہ کتنے لوگ ایسا کر سکیں گے افسوس! کہ یہ لوگ ''انقلاب ایران'' سے سبق حاصل کرنے پر تیار نہیں۔ ''کرغیزستان'' کا انقلاب ابھی کل کی بات ہے جس میں صدر اور وزیر اعظم نے بھاگ کر جان بچائی۔

حذر اے چیرہ دستاں سخت ہیں فطرت کی تعزیریں

آخر میں یہ تحقیقاتی رپورٹ پڑھ لیجئے جس کے مطابق گزشتہ تین برسوں میں بجلی کے نرخوں میں بیاسی (82) فی صد اضافہ کیا گیا ہے۔

واپڈا کو مالی خسارے سے نکالنے کے لئے نیپرا نے بجلی کے نرخوں سے 14 پیسے فی یونٹ اضافہ کر کے تین سال کے دوران بجلی کی قیمتوں میں مجموعی طور پر 82 فیصد اضافہ کیا ہے۔ اعداد و شمار کے مطابق پچھلی حکومت نے 24 فروری 2007ء کو بجلی کی قیمتوں میں 10 فیصد اضافہ کیا لیکن اس کے بعد الیکشن میں عوامی ردعمل سے بچنے کے لئے ایک سال تک اضافہ روکے رکھا۔ نئی حکومت نے برسر اقتدار آتے ہی یکم مارچ 2008ء کو بجلی کی قیمتوں میں پہلی بار 14 فیصد اضافے کا عوام کو تحفہ دیا، پھر یہ سلسلہ چل نکلا 5 ستمبر 2008ء کو بجلی مزید 18 فیصد مہنگی کر دی گئی۔ 25 فروری 2009ء ایک فیصد اضافہ کیا گیا۔ یکم اکتوبر 2009ء کو 6 فیصد پھر 23 دسمبر کو 1.5 فیصد اور یکم جنوری 2010ء کو ٹیرف میں 12 فیصد اضافہ کیا گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ فیول ایڈجسٹمنٹ کی مد میں بھی ہر تین ماہ قیمتوں میں ردوبدل ہوتا رہتا ہے اور اب تک مجموعی طور پر اس مد میں بھی تقریباً 20 فیصد اضافہ ہو چکا ہے۔ اس سے 500 یونٹ تک بجلی استعمال کرنے والے ایک مڈل کلاس گھریلو صارف کے ماہانہ بل میں 4 سے 5 ہزار روپے کا اضافہ ہوا ہے۔

☆☆☆

جعلی ڈگریاں اور وسط مدتی انتخابات

تازہ ترین خبروں کے مطابق ہائر ایجوکیشن کمیشن نے ارکان پارلیمنٹ اور صوبائی اسمبلیوں کے ارکان کی ڈگریاں تصدیق کے لئے متعلقہ یونیورسٹیوں کو بھجوانا شروع کر دی ہیں۔ لطف کی بات یہ ہے کہ ان ڈگریوں میں وزیر اعظم یوسف رضا گیلانی کی ڈگری بھی شامل ہے۔ کاش! صدر کی میٹرک کی سند بھی شامل ہوتی۔

اخباری اطلاع کے مطابق وفاقی وزراء اور وزرائے مملکت کی ڈگریاں بھی تصدیق کے لئے متعلقہ یونیورسٹیوں کو بھجوائی جا رہی ہیں۔ ہائر ایجوکیشن کے مشیر ڈاکٹر محمد رضا نے بتایا کہ 934 ارکان پارلیمنٹ کی ڈگریوں کو 26 یونیورسٹیوں میں بھیجا جا رہا ہے اور ان ڈگریوں کی تصدیق میں تین یا 4 ہفتے لگ جائیں گے۔ ڈگریوں کے بارے میں مصدقہ معلومات قائمہ کمیٹی برائے تعلیم کو بھیجی جائیں گی۔ دریں اثنا الیکشن کمیشن آف پاکستان نے تصدیق کی ہے کہ بلوچستان سے تمام قومی و صوبائی اسمبلی کے ارکان کی اسناد کمیشن کو بھجوا دی گئی ہیں۔ اسناد کی تصدیق کی بنا پر بلوچستان اسمبلی کے ارکان میں کھلبلی مچ گئی ہے کیونکہ بلوچستان کے سترہ سے بیس ارکان کی اسناد مشکوک ہیں۔ اس امر کی تصدیق ڈپٹی چیئرمین جان محمد جمالی نے بھی کی ہے۔ وزیر اعلیٰ بلوچستان لشکری رئیسانی نے دلچسپ بیان دیا ہے کہ ''ڈگری تو ڈگری ہوتی ہے خواہ وہ جعلی ہو یا اصلی''۔ یہ خبر پڑھ کر ایک سیاست دان بیٹے کی عقل پر رونا آیا۔

ایک محتاط اندازے کے مطابق ڈیڑھ سو کے قریب ارکان بوگس ڈگریوں کے حامل ہیں۔ ان میں زیادہ تعداد مسلم لیگ ن کے ارکان کی ہے۔ یاد رہے کہ اب تک مسلم لیگ ن کے کئی ارکان نااہل قرار دئے جا چکے ہیں۔ ان ارکان کی اکثریت مسلم لیگ پر زور دے رہی ہے کہ وہ بوگس ڈگریوں کے معاملے کو ''نظر انداز'' کریں جبکہ میاں نواز شریف علی الاعلان کہہ چکے ہیں کہ وہ پارٹی کو بوگس ڈگریوں کے حامل افراد سے پاک کر دیں گے۔ ظفر اقبال جھگڑا نے بھی کہا ہے کہ ''قانون سازوں کی نااہلی سے ملکی سیاست پر سنگین اثرات مرتب ہوں گے لیکن یہ ضروری ہے کہ اسمبلیوں کو دھوکہ دہی کرنے والے ارکان سے پاک کیا جائے''۔ مسلم لیگ ق کے سیکرٹری جنرل مشاہد حسین نے کہا ہے کہ ان کی جماعت سپریم کورٹ کے فیصلوں کا احترام کرے گی۔ حیرانی ہے کہ آپ کی جماعت ایسا کرے گی۔ کیا یہ وہی جماعت نہیں جس کے دور

حکومت میں آپ کے صدر مشرف نے 70,60 ججوں کو چیف جسٹس سمیت گھروں کو بھیج دیا تھا اور اپنی ہی عدالتیں قائم کر لی تھیں آپ اس وقت کیوں نہیں بولے؟

دریں اثنا معلوم ہوا ہے کہ الیکشن کمیشن آف پاکستان چالیس کے قریب ڈگریوں کی گمشدگی کے حوالے سے دوبارہ تصدیق کر رہا ہے۔ اگر ہائر ایجوکیشن کی رپورٹ کے مطابق یہ ڈگریاں درست نہ ہوئیں تو یہ پاکستان کی تاریخ کا منفرد اور بڑا اسکینڈل ہوگا۔ کمیشن اس بات پر حیران ہے کہ اتنی بڑی تعداد میں کس طرح ارکان کو اسناد جمع کرائے بغیر الیکشن کے لئے حکام نے کلیئر کر دیا۔ مزید براں ایسے ارکان کی خاصی تعداد ہے جن کی ڈگریاں مشکوک ہیں اور ان کا پڑھنا ہی دشوار ہے۔ اب صوبائی الیکشن اتھارٹیز سے دوبارہ تصدیق کے لئے کہا گیا ہے۔ 141 ارکان کی ڈگریاں پڑھنے کے قابل ہی نہیں اور ان میں 40 ارکان ایسے ہیں جن کی ڈگریوں کا الیکشن کے ریکارڈ میں وجود ہی نہیں ملتا۔

دراصل 2002ء میں قانون بنایا گیا تھا کہ الیکشن میں قومی، صوبائی اور سینٹ کے تمام ارکان کی اہلیت کم از کم بی اے پاس ہوگی، لیکن مشرف کی قائم کردہ ڈوگر عدالت نے یہ شرط بنیادی حقوق کی راہ میں رکاوٹ قرار دیتے ہوئے ختم کر دی۔ درحقیقت اس کا مقصد آصف زرداری کے صدارتی امیدوار بننے کی راہ ہموار کرنا تھا۔ جو ہماری بدقسمتی سے ''بی اے پاس'' نہیں تھے۔ وطن عزیز کی بدقسمتی ہے کہ گریجویٹ نہ ہونے کے باوجود ایک شخص ملک کا سربراہ ہے۔ بہر حال اس کا دعویٰ ہے کہ وہ عوامی نمائندہ ہے۔ بقول حبیب جالب

دھونس، دھن، دھاندلی سے جیت گیا
ظلم پھر مکر و فن سے جیت گیا

پرویز مشرف، غاصب تھا، ظالم و جابر تھا اور غیر منتخب تھا لیکن اس نے ''گریجوایشن'' کی شرط عائد کر کے اسمبلیوں کو پڑھے لکھے لوگوں کی اسمبلی بنانے کی ضرور کوشش کی۔ کہا جاتا ہے کہ یہ سب کچھ اس نے ''ذاتی غرض'' کے تحت کیا تا کہ اس کے بعض پرانے مخالف سیاست دان آگے نہ آ سکے لیکن پہلے ڈوگر عدالت نے اور اب پارلیمنٹ نے بی اے کی شرط ختم کر دی ہے جس کے نتیجہ میں اب پھر جاہل اور ان پڑھ لوگ اسمبلیوں میں آئیں گے اور قانون سازی کریں گے۔ یہ جمہوریت کے کرشمے ہیں۔ اب ثابت ہو رہا ہے کہ عوامی نمائندے کاذب، جھوٹے، جعل ساز اور دروغ گو بھی ہو سکتے ہیں۔ وہ جعلی اور تحریف شدہ اسناد بھی پیش کر سکتے ہیں، سوال پیدا ہو رہا ہے کہ جو لوگ آغاز ہی میں دھاندلی اور جعل سازی، جھوٹ اور مکر و فریب سے کام لیں گے، وہ اسمبلیوں میں عوام کی فلاح و بہبود اور بہتری کے لئے بھلا کریں گے۔

ازیں چنیں مرداں چہ امید بہی

حتیٰ کے سپریم کورٹ نے جس امجد دستی کو جعلی ڈگری ہولڈر قرار دیا اور اس نے مصلحتاً اس وقت تو عدالت کے روبرو معافی مانگ لی اور استعفیٰ دے دیا لیکن پی پی پی نے ضمنی انتخابات میں اسے اپنا نمائندہ قرار دیکر جتوا دیا اور دھڑلے سے کہا کہ ''عوام کی عدالت میں ہم جیت گئے''۔ اخلاق و کردار سے عاری یہ لوگ نہیں جانتے کہ ایک عدالت خدا کی بھی ہے جس کے سامنے آخر کار پیش ہونا ہے۔ جہاں آپ کے پیش رو بھٹو اور ضیاء الحق پیش ہو چکے ہیں۔ یاد رکھئے اس کا فیصلہ اور اس کی گرفت بہت شدید ہوگی۔

فطرت افراد سے اغماض تو کر لیتی ہے
مگر کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو معاف

سپریم کورٹ نے آئین کی تشریح کر کے الیکشن کمیشن کو کافی با اختیار ادارہ بنا دیا۔ الیکشن کمیشن کے سربراہ کنور دلشاد نے کہا ہے کہ آر پی کے تحت کمیشن کرپشن میں کسی بھی رکن کو نا اہل قرار دے سکتا ہے اور اس کی رکنیت ختم کر سکتا ہے۔

امید ہے کہ الیکشن کمیشن اب اپنی ذمہ داریاں قبول کرے گا اور آزادی و خودمختاری سے فیصلے کرے گا اور کسی کے دباؤ میں نہیں آئے گا، لیکن اگر دیانت داری اور منصفانہ فیصلے صادر ہوئے تو یوں لگتا ہے کہ بہت سے ارکان قومی و صوبائی اسمبلیز نا اہل قرار پائیں گے اور اس کے بعد ''مڈٹرم الیکشن'' وسط مدتی انتخاب لازم ٹھہریں گے تاوقتیکہ پارلیمنٹ اپنے جعل ساز ارکان کو بچانے کے لئے ''نام نہاد'' قانون سازی نہ کر دے جس کی ''اندر خانے'' کوششیں جاری ہیں۔ جس کا ملک کا صدر عدالت سے سزا یافتہ لوگوں کی سزائیں صدارتی اختیار رائے کے تحت معاف کر سکتا ہے، وہاں انصاف کی کیا امید کی جا سکتی ہے۔ صدر نے اپنے عزیز دوست ریاض احمد شیخ اور وزیر داخلہ رحمٰن ملک کی سزاؤں کو نہ صرف بیک جنبش قلم معاف کر دیا ہے بلکہ ان کو عہدوں پر بھی بحال رکھا ہے۔

صدر آصف زرداری نے تازہ ترین بیان میں انکشاف فرمایا ہے کہ قائداعظم محمد علی جناح بھی ''نان گریجوایٹ'' تھے لیکن اس حقیقی نان گریجوایٹ کو کون بتائے کہ جس ملک برطانیہ کی یونیورسٹیوں میں آپ ''فیل'' ہو کر واپس آئے انہیں میں سے ایک یونیورسٹی سے وہ ''کامیاب

کامران" ہو کر آئے تھے۔

یہ بات حیران کن نہیں کہ پیپلز پارٹی کے صدر نے قائداعظم کے بارے میں یہ "بیان" دے کر "وریدہ دہنی" سے کام لیا ہے۔ ان کے دفتر میں "قائداعظم" کی تصویر نہ ہونے کی خبر پہلے ہی چھپ چکی ہے۔ وہاں قائداعظم بانی پاکستان کی بجائے اس "بے نظیر زرداری" کی تصویر ہے جس کے قاتل" حکومت میں ہونے کے باوجود، اب تک پکڑے نہیں جا سکے، ان کو سزا دینا تو درکنار، حالانکہ زرداری کا دعویٰ ہے کہ" وہ قاتلوں کو جانتے ہیں تو پھر پکڑتے کیوں نہیں"۔

اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا

حالانکہ عوام خوب جانتی ہیں کہ بے نظیر کے "قاتل" وہی ہیں جو جاننے کے باوجود قاتلوں کی گرفت سے "اغماض" برت رہے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ ضرور پکڑے گا۔

جعلی ڈگریوں کا معاملہ گھمبیر صورت اختیار کر گیا ہے۔ سندھ یونیورسٹی ایجوکیشن کمیشن کی ہدایات کے مطابق ڈگریوں کی تصدیق نہیں کر رہی کمیشن نے اب یہ ڈگریاں دوبارہ یونیورسٹیوں کو بھجوائی ہیں تاکہ مزید تصدیق کی جا سکے۔ ادھر حکومت عالیہ اس معاملے میں مختلف طریقوں سے روڑے اٹکا رہی ہیں کمیشن کے چیئرمین جاوید لغاری کر کے بعد دیگرے مختلف مقدمات میں ملوث کر کے اور گرفتار کر کے چیئرمین پر دباؤ ڈالا جا رہا ہے ادھر ایوان صدر کی سرپرستی وزیر تعلیم آصف احمد علی بول پڑے ہیں کہ کمیشن محکمہ تعلیم کے ماتحت ہے اور وہ خود مختاری نہیں اس لئے وہ "رپورٹس" قائمہ کمیٹی کو نہ بھجوائے بلکہ محکمہ تعلیم کو بھیجے تاکہ "کرپٹ" حکومت مزید "کرپشن" کر سکے۔ جاوید لغاری وزیراعظم سے مل چکے ہیں لیکن وہ بھی واضح فیصلہ نہیں کر سکے۔ ایک اور وفاقی وزیر سید خورشید شاہ ایجوکیشن کو "بدنام" کرنے کے لئے دن رات ہرزہ سرائی کر رہے ہیں۔

دراصل حکومت "خوفزدہ" ہے کہ اس بہانے مڈٹرم الیکشن نہ کروانے پڑ جائیں۔ ڈگریوں کے معاملے میں دلچسپ باتیں سامنے آئی ہیں۔ باپ بیٹا دونوں ممبران اسمبلی ہیں اور دونوں جعلی ڈگریوں کے حامل۔ ایک جعلی ڈگری ہولڈر نے "ایم اے" پاس کیا اور بی اے اور میٹرک بعد میں۔ کئی افراد نے ایسے "مدارس" سے ڈگریاں لے رکھی ہیں جس کو کوئی یونیورسٹی تسلیم ہی نہیں کرتی۔ الخیر یونیورسٹی کا کسی یونیورسٹی سے الحاق نہیں لیکن اس کی ڈگریاں عام ہیں۔ وفاقی وزیر قانون بابر اعوان کی پی ایچ ڈی کی ڈگری جعلی ہے لیکن وہ دندناتے پھرتے ہیں اور وفاقی ایسوسی ایشنز کو لاکھوں روپے بانٹ کر وکلا کو "کرپٹ" بنانے میں مصروف ہیں۔ فی الحال معلوم نہیں کہ ڈگریوں کا معاملہ کہاں پہنچے گا اور کہاں جا کر رکے گا؟

☆☆☆

لاہور میں قحبہ خانوں کی بھرمار

مصدقہ ذرائع نے انکشاف کیا ہے کہ لاہور پولیس نے خفیہ رپورٹ جاری کی ہے جس میں دارالحکومت لاہور میں "ہماری عزت و ناموس اور مال و جان کی محافظ" پولیس نے بااثر شخصیات کی سرپرستی میں سینکڑوں قحبہ خانے اور عیاشی کے اڈے کھول رکھے ہیں۔ یہ رپورٹ کیپٹل سٹی پولیس چیف کو بھجوائی گئی ہے۔ رپورٹ کے مطابق ماڈل ٹاؤن ڈویژن میں 130، صدر ڈویژن میں 95، سٹی ڈویژن میں 52 اور کینٹ (چھاؤنی) میں 41 مبینہ اداروں کی تفصیلات فراہم کی گئی ہیں۔ اسی طرح جوہر ٹاؤن میں 50، اقبال ٹاؤن 15، شاہدرہ 14، گارڈن ٹاؤن 13 قحبہ خانے موجود ہیں۔

اس رپورٹ کے مطابق، سول لائن ڈویژن کے علاقہ قلعہ گوجر سنگھ کے ایک ہوٹل میں قحبہ خانہ قائم ہے جس کا مالک ایک ایس پی ہے۔ اس ہوٹل میں 24 گھنٹے "بدکاری" ہوتی ہے۔ اسی طرح تھانہ ڈیفنس کے ایریا میں کافی لوگ منشیات فروشی اور جسم فروشی کے دھندے میں ملوث ہیں لیکن وہاں "قانون کے پاسبان" کسی پولیس کانسٹیبل کا پہنچنا محال ہے۔ تھانہ غازی آباد میں بھی بہت سے قحبہ خانے اور عیاشی کے اڈے قائم ہیں جن کی پشت پناہی ایک ایس ایچ او خود کرتا ہے۔ اسی طرح تھانہ سانده کے دربار شادی شدہ کے علاقہ میں ایک نائیکہ کے حوالے سے متعلقہ ایس ایچ او پر کوٹھی خانہ چلانے کا الزام ہے جبکہ تھانہ سبزہ زار کے اے بلاک میں ایک خاتون پر لڑکیوں کی خرید و فروخت اور سپلائی کا الزام عائد کیا گیا ہے۔ اس علاقہ کا ایس ایچ او اس گھناؤنے کاروبار پر "گرفت" کرنے کی بجائے مبینہ طور "منتھلی" لیتا ہے۔

رپورٹ میں لاہور کے 52 تھانوں میں قائم قحبہ خانوں اور عیاشی کے اڈوں کا باقاعدہ ایک گوشوارہ دیا گیا ہے۔ ہم کالم کی طوالت کے خوف سے تفصیلی اعداد و شمار پیش نہیں کر رہے۔

اس رپورٹ پر تبصرہ کی ضرورت نہیں۔ یہ عوام کی محافظ اور جان و مال اور عزت و ناموس کی پاسبان پولیس کے "لچھن" ہیں۔ ناطقہ سربگر یباں ہے اسے کیا کہیے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر "عوام کی محافظ" پولیس کا یہ حال ہے تو پھر دوسروں کا کیا حال ہوگا؟ یہ پولیس کے کردار کی تصویر کا "ایک پہلو" ہے۔ ہماری پولیس کرپشن، رشوت ستانی اور بدعنوانی میں تحقیقاتی جائزوں اور رپورٹوں کے مطابق دنیا بھر میں سرفہرست ہے۔ ایجنسی ٹرانسپیرنسی انٹرنیشنل کی رپورٹ میں اس محکمہ کو کرپشن کے اعتبار سے "بدترین محکمہ" قرار دیا گیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ پولیس پر گرفت کرنے والے باقی دارے کہاں ہیں؟ وزیراعلیٰ اور گورنر کہاں ہیں؟ ارکان قومی و اسمبلی کدھر ہیں؟ کسی کو کوئی احساس ہے کہ یا نہیں؟

کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

ان سب سے بڑھ کر علمائے دین، مشائخ عظام اور ائمہ مساجد، اپنے اپنے علاقوں میں اس قبیح کاروبار کے جاری رہنے کے باوجود کیوں خاموش ہیں آئمہ مساجد اپنے خطبوں میں فرقہ وارانہ اور مسلکی مسائل پر زور بیان صرف کرنے کی بجائے ان گھمبیر مسائل کی طرف توجہ کیوں نہیں فرماتے؟

ثنا خوان تقدیس مشرق کہاں ہیں؟

☆☆☆

نعت کا اعجاز اور وکیل کی غیرت مندی کا اظہار

چنوکی بار ایسوسی ایشن کے اجلاس میں نعت خواں ایڈووکیٹ نے وفاقی وزیر بابر اعوان سے پچاس ہزار روپے رقم پر مبنی انعام وصول کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ "بابر اعوان صاحب! آپ میرے بڑے بھائی ہیں۔ برسوں پہلے پالیسی ہوا کرتی تھی کہ Dividand rule "یعنی تقسیم کرو اور حکومت کرو" اور اب پالیسی یہ ہے کہ Buy and rule یعنی "خرید و فروخت اور حکومت کرو" انعام کی رقم نہیں لے سکتا کیونکہ آپ ہمیں خریدنا چاہتے ہیں"۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ وفاقی وزیر ڈاکٹر بابر اعوان (سنا ہے ان کی ڈاکٹر کی ڈگری جعلی ہے) آج کل بار ایسوسی ایشنوں میں کروڑوں روپے کی تقسیم کر رہے ہیں تاکہ حکومت اور پیپلز پارٹی وکلاء کی ہمدردیاں حاصل کر سکے۔ یہیں تک بس نہیں وہ بار ایسوسی ایشن کے جلاس میں تلاوت کرنے والے ہر مولوی اور ہر نعت پڑھنے والے کو پچاس پچاس ہزار روپے سے "نوازتے" ہیں۔ پچھلے دنوں وہ چنوکی بار میں گئے۔ محمد یاسین اکرم ایڈووکیٹ نے رسالت مآب ﷺ کی مدحت میں نعت پڑھی جس پر حاضرین نے داد دی۔ اسی دوران میں وفاقی وزیر بابر اعوان نے انہیں پچاس ہزار کی رقم بطور انعام یا "برائے خریداری" دینا چاہی تو انہوں نے لینے سے صاف انکار کر دیا کہ "ہم وکیل برائے فروخت نہیں"۔ بعد میں انہوں نے میڈیا سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ انہیں پریکٹس کرتے ہوئے 20 سال ہو گئے ہیں اور وہ ہر تقریب میں نعت رسول مقبول ﷺ پڑھتے ہیں۔ اس موقع پر بھی پڑھی لیکن میں نے رقم لینے سے انکار کرتے ہوئے حکومت اور اہل وطن کو پیغام دیا ہے کہ "ہم وکیل ہیں، قابل فروخت جنس نہیں"۔

ہمارے خیال میں یاسین اکرم نے جس حمیت اور غیرت کا ثبوت دیا ہے وہ رسول محتشم ﷺ کی ثناء خوانی کا اعجاز ہے کہ انہوں نے جرأت مندی اور غیرت مندی کا ثبوت دیا ہے ورنہ تو کم و بیش تمام وکلاء حضرات بابر اعوان کی طرف سے دی گئی بھاری رقوم کو خندہ پیشانی سے وصول کر رہے ہیں۔ جن بار ایسوسی ایشن نے "امداد" لینے سے انکار کیا ہے، ان کی تعداد انگلیوں پر گنے جانے کے قابل ہے لیکن وہ قابل تحسین ہیں۔

☆☆☆

1857
کی ایک ہولناک تصویر

خواجہ حسن نظامی علیہ الرحمۃ

ماہِ عالم شاہ عالم، بادشاہِ دہلی کے نواسوں میں تھا۔ غدر میں اس کی عمر صرف گیارہ برس تھی۔ شہزادہ ماہِ عالم کے باپ "مرزا نوروز حیدر" بہادر شاہ کی سرکار سے سو روپے ماہوار تنخواہ پاتے تھے۔ غدر پڑا تو ماہِ عالم کی والدہ بیمار تھیں۔ اسی بیماری میں اس روز جب کہ بہادر شاہ قلعہ سے نکلے اور شہر کی رعایا پریشان ہوکر بھاگنے لگی۔ ماہِ عالم کی والدہ کا انتقال ہوگیا۔ ایسے موقع پر سب کو اپنی جان کے لالے پڑے ہوئے تھے۔ اس موت نے عجیب ہراس پیدا کر دیا۔ اس وقت نہ کفن کا سامان ممکن، نہ دفن کا، نہ غسل دینے والی عورت میسر آ سکتی تھی، نہ کوئی مردے کے پاس بیٹھنے والا تھا، غدر کی عالم گیر مصیبت کے سبب کوئی آدمی ایسا نہ ملا جو تجہیز و تکفین کی خدمت انجام کو پہنچاتا۔ گھر میں دو لونڈیاں تھیں لیکن وہ بھی مردے کو نہلانا نہ جانتی تھیں۔

القصہ ان لوگوں کو اسی پریشانی میں کئی گھنٹے گزر گئے۔ اتنے میں سنا کہ انگریزی لشکر شہر میں گھس آیا ہے۔ اس خبر سے مرزا کے رہے سہے وسان بھی جاتے رہے۔ جلدی سے لاش کو نہلانا شروع کیا۔ نہلانا کیا بس پانی کے لوٹے بھر بھر کر اوپر ڈال دیے۔ کفن کہاں سے ملتا۔ شہر تو بند تھا پلنگ پر بچھانے کی دو اجلی چادریں لیں اور ان میں لاش کو لپیٹ دیا۔ اب یہ فکر ہوئی کہ دفن کہاں کریں۔ اس سوچ میں تھے کہ گوروں اور سکھوں کی فوج کے چند سپاہی گھر میں گھس آئے اور آتے ہی مرزا اور ان کے لڑکے ماہِ عالم کو گرفتار کر لیا، گھر کا سامان لوٹا، صندوق توڑ ڈالے، الماریوں کے کواڑ اکھیڑ دیے، کتابوں کو آگ لگا دی، اگرچہ فوجیوں کو لاش کا حال معلوم تھا، مگر انہوں نے اس کی مطلق پروا نہ کی اور برابر لوٹ مار کرتے رہے۔ آخر قیمتی سامان کی گٹھڑیاں، لونڈیوں اور خود مرزا نوروز حیدر اور ان کے لڑکے ماہِ عالم کے سر پر رکھیں اور بکریوں کی طرح ہانکتے ہوئے گھر سے باہر لے چلے۔ اس وقت مرزا نے اپنے لٹے ہوئے گھر کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھا اور اپنی بیوی کی بے گور و کفن لاش کو اکیلا چارپائی پر چھوڑ کر ظالم و بیدرد سپاہیوں کے ساتھ کوچ کیا۔

لونڈیوں کو تو بوجھ اٹھانے اور چلنے پھرنے کی عادت تھی۔ مرزا نوروز حیدر بھی قوی اور توانا تھے، مگر غریب ماہِ عالم کی بری حالت تھی۔ اول تو اس کے سر پر بوجھ اس کی بساط اور عمر سے زیادہ تھا، دوسرے شہزادہ نہایت نازک اور کمزور واقع ہوا تھا۔ اس پر ماں کے مرنے کا غم خالی ہاتھ چلنے سے بھی چکر آتے تھے۔ کجا یہ نوبت کہ سر پر بوجھ، پیچھے چمکتی ہوئی تلواریں اور جلدی چلنے کی قہرناک تاکید۔ بیچارے کے پاؤں لڑکھڑاتے تھے۔ بدن پسینے پسینے ہوگیا تھا۔ آخر نہایت مجبوری کی حالت میں باپ سے کہا: "ابا حضرت! مجھ سے تو چلا نہیں جاتا، گردن بوجھ کے مارے ٹوٹی جاتی ہے، ایسا نہ ہو گر پڑوں"۔ باپ سے اپنے لاڈلے اکلوتے بچے کی مصیبت بھری باتیں نہ سنی گئیں اور اس نے مڑ کر سپاہی سے کہا "صاحب! اس بچے کا اسباب بھی مجھے دے دو۔ یہ بیمار ہے"۔ گورا مرزا کی زبان بالکل نہ سمجھا اور اس طرح ٹھہرنے اور بات کرنے کو گستاخی سمجھ کر دو تین مکے کمر میں مارے اور آگے دھکا دے دیا۔ مظلوم مرزا نے مار کھا کر بھی لڑکے کا بوجھ بغل میں لے لیا۔ گورے کو یہ حرکت بھی پسند نہ آئی اور اس نے جبراً مرزا سے گٹھڑی لے کر ماہِ عالم کے سر پر رکھ دی اور ایک گھونسہ اس بے کس و ناتواں کے بھی مارا۔ گھونسہ کھا کر ماہِ عالم آہ کہہ کر گرا اور بے ہوش ہوگیا۔ مرزا نوروز اپنے لختِ جگر کی حالت دیکھ کر جوش میں آگئے اور اسباب پھینک کر ایک مکا گورے کے کلے پر رسید کیا اور پھر فوراً ہی دوسرا گھونسہ اس کی ناک پر جو مارا تو ناک کا بانسہ پھٹ گیا، خون کا فوارہ چلنے لگا۔ سکھ سپاہی دوسری طرف چلے گئے اس وقت فقط دو گورے ان کے ساتھ تھے۔ دوسرے گورے نے ساتھی کی حالت دیکھ کر مرزا کے ایک سنگین ماری مگر خدا کی قدرت! وار اوچھا پڑا، تیموری شہزادے نے اس موقع کو غنیمت جانا اور لپک کر ایک مکا اس گورے کی ناک پر مارا۔ یہ بھی ایسا کاری پڑا کہ ناک پچک گئی۔ گورے یہ حالت دیکھ کر پستول کرچ تو بھول گئے اور ایک بارگی دونوں کے دونوں مرزا کو چمٹ گئے اور گھونسوں سے مارنے لگے۔ لونڈیوں نے جو یہ حالت دیکھی تو اسباب پھینک کر رستہ کی خاک مٹھیوں میں بھر کر گوروں کی آنکھ میں جھونک دی۔ اس ناگہانی آفت سے گورے تھوڑی دیر کے لیے بیکار ہوگئے اور ان کی کرچ مرزا کے ہاتھ آگئی، مرزا نے فوراً کرچ گھسیٹ کر ایک ایسا بھرپور ہاتھ مارا کہ کرچ نے شانہ سے سینہ تک کاٹ ڈالا۔ اس کے بعد دوسرے گورے پر حملہ کیا اور اسے بھی ذبح کر دیا۔ ان دونوں کو ہلاک کر کے ماہِ عالم کی طرف متوجہ ہوئے۔ وہ بالکل بے ہوش تھا۔ باپ کے گود میں لیتے ہی آنکھیں کھول دیں۔ مرزا اسی حالت میں تھے کہ پیچھے سے دس بارہ گورے اور سکھ آگئے۔ انہوں نے اپنے دو ساتھیوں کو خون میں نہایا دیکھ کر مرزا کو گھیر لیا اور لڑکے سے جدا کر کے حال پوچھا۔ مرزا نے سارا واقعہ سچ سچ کہہ دیا۔ سنتے ہی گوروں کی حالت غصہ سے غیر ہوگئی۔ انہوں نے پستول کے چھ فائر یک دم کر دیے جن سے مرزا آناً فاناً تڑپ کر مر گئے۔ مرزا نوروز حیدر کی لاش کو وہیں چھوڑ دیا اور ماہِ عالم کو لونڈیوں سمیت کیمپ میں لے گئے۔

اس کے بعد لونڈیاں دو پنجابی افسروں کو دے دی گئیں اور ماہِ عالم ایک انگریز افسر کی خدمت پر مامور ہوئے۔ جب تک یہ انگریز دلی میں رہا ماہِ عالم کو زیادہ تکلیف نہ تھی لیکن چند روز کے بعد یہ صاحب رخصت لے کر ولایت چلے گئے اور ماہِ عالم کو ایک دوسرے افسر کے حوالے

کر گئے جو میرٹھ چھاؤنی میں تھا۔ اس افسر کا مزاج سخت تھا۔ بات بات پر ٹھوکریں مارتا تھا۔ ماہ عالم اس مار دھاڑ کو برداشت نہ کر سکے اور ایک رات پچھلی رات کو گھر سے نکلے۔ پہرہ دار نے ٹوکا تو کہہ دیا کہ فلاں صاحب کا نوکر ہوں اور ان کے کام کو فلاں گاؤں جاتا ہوں۔ اس حیلے سے جان بچائی اور جنگل کا راستہ لیا۔

☆☆☆

عجم ہنوز نہ داند رموز دیں ورنہ

عطاء الحق قاسمی کی کھری کھری باتیں

ایک یاد ۔۔۔ ایک تاریخ ۔۔۔ ایک تجزیہ

عطاء الحق قاسمی معروف دانشور، صحافی اور تجزیہ نگار ہیں اور ناروے میں راقم الحروف کو ایک تقریب میں بحیثیت سفیر ضیافت سے نواز چکے ہیں۔ پاکستان کی محبت میں پچھلے دنوں روزنامہ جنگ میں انہوں نے خوبصورت باتیں لکھیں ان کے فکر انگیز شذرات دلیل راہ کے قارئین کی نذر کئے جاتے ہیں۔۔۔۔ مدیر اعلیٰ

دارالعلوم دیوبند کے موجودہ مہتمم اور مولانا حسین احمد مدنی کے پوتے مولانا محمود مدنی نے ایک بار پھر اپنے بزرگوں کا موقف دہراتے ہوئے پاکستان کے بارے میں گل افشانی کی ہے۔ ان کی یہ گل افشانی پاکستان کے ایک ٹی وی چینل کے نوجوان اینکر کے ذریعے پاکستانی ناظرین تک پہنچی ہے۔ یہ نوجوان اینکر باصلاحیت ہیں، پنجاب یونیورسٹی میں انٹرنیشنل ریلیشن کے استاد ہیں اور پاکستانی سیاست دانوں سے انٹرویو کے دوران ان کا رویہ بہت جارحانہ ہوتا ہے مگر غالباً اپنی تربیت کے سبب مولانا کے سامنے وہ خاصے مودب رہے کہ ہمارے ہاں مولوی اپنی تمام تر خامیوں کے باوجود آج بھی نسبتاً احترام کا مستحق سمجھا جاتا ہے۔ مولانا نے تاریخی حقائق کے خلاف جو باتیں کیں، ہمارے اینکر نے اس پر انہیں بہت کم ٹوکا، اس کی وجہ بھی شاید یہ ہو کہ بطور مہمان انہوں نے میزبان سے الجھنا مناسب نہ سمجھا لیکن مولانا نے اس کے جواب میں آداب میزبانی کا بہر حال خیال نہیں رکھا تاہم میرے نزدیک ان حالات میں جب پاکستان پہلے ہی اندرونی اور بیرونی دشمنوں کی زد میں آیا ہوا ہے، قیام پاکستان اور تحریک پاکستان کے بارے میں اس شخص کے سامنے سوال اٹھانا جس کی جماعت کا اس حوالے سے ایک واضح نقطہ نظر تھا اور ہے، کوئی مناسب بات نہیں تھی خصوصاً اس صورتحال میں جبکہ برصغیر کے مسلمان ان کے طرز فکر کو مکمل طور پر مسترد کر چکے ہیں۔ مجھے اس نوجوان اینکر کی نیت پر کوئی شک نہیں تاہم ایک طے شدہ مسئلے کو متنازعہ بنانے سے کبھی کوئی اچھے نتائج سامنے نہیں آئے۔

مولانا مدنی تمام انٹرویو کے دوران بھارتی حکومت کے ترجمان کا فریضہ انجام دیتے رہے چنانچہ ہر مسئلے پر ان کا نقطہ نظر وہی تھا جو بھارت کی وزارت خارجہ کا ہے، حتیٰ کہ عالم دین ہوتے ہوئے بھی انہوں نے کشمیر کے بارے میں بعض آزاد خیال ہندو دانشوروں ایسی حوصلہ مندی کا مظاہرہ ہی نہیں کیا بلکہ فرمایا تو یہ کہ کشمیر کی آزادی بھارتی مسلمانوں کے مفاد میں نہیں ہے اس حوالے سے وہ نہ تو یو این او کی قراردادوں کو خاطر میں لائے اور نہ دنیا بھر میں تسلیم شدہ قوموں کا حق خودارادیت انہیں یاد آیا، مولانا تاریخی حقائق سے بھی بالکل بے خبر تھے، انہوں نے یہ مضحکہ خیز بیان بھی دیا کہ غیر مسلم اقلیتی علاقوں میں رہنے والے مسلمانوں نے مسلم لیگ کے قیام پاکستان کے مطالبے کی حمایت نہیں کی۔ پاکستان اور بھارت میں شائع ہونے والی تاریخ کی تمام کتابیں ان کی اس غلط بیانی کی تردید کرتی نظر آتی ہیں صورتحال یہ ہے کہ دسمبر 1945 میں مرکزی قانون ساز اسمبلی کے نتائج کا اعلان ہوا تو مسلم لیگ کو 90 فیصد مسلمان ووٹ ملے تھے اور اس نے تمیں مسلم نشستوں میں سے تمیں کی تمیں حاصل کر لی تھیں۔ ان میں غیر مسلم علاقے (صوبے) بھی شامل تھے، کانگریس نے 62 عمومی (ہندو) نشستوں میں سے 57 جیت لی تھیں، مسلم لیگ کی سو فیصد کامیابی تاریخ کا ایک حیرت انگیز واقعہ تھا۔ 1946ء ‌ کے آغاز میں صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات ہوئے تو یوپی کی 66 مسلم نشستوں میں سے 54، سی پی کی 14 میں سے 13 اڑیسہ کی 4 میں سے 4، بمبئی کی 30 میں سے 30، آسام کی 34 میں سے 33 اور بہار کی 40 میں سے 34 مسلم لیگ نے حاصل کر لیں 1946ء کے انتخابات میں یوپی کے شہری علاقوں میں کانگریس کو ملنے والے مسلمان ووٹ ایک فیصد سے بھی کم تھے، مسلم لیگ نے یہ انتخابات ایک ہی انتخابی نعرے پر لڑے اور وہ تھا "پاکستان"! ان حقائق کے بیان کے بعد برادرم مجیب شامی یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ خدا جانے مولانا محمود مدنی کو یہ بات کہاں سے القاء ‌ ہوئی کہ اقلیتی مسلم علاقوں میں مسلم لیگ کو ووٹ نہیں ڈالے گئے؟ اس حوالے سے کمال کی بات یہ ہے کہ اقلیتی علاقے کے مسلمانوں کو علم تھا کہ ان کے علاقے پاکستان میں شامل نہیں ہوں گے لیکن اس کے باوجود انہوں نے پاکستان کے حق میں ووٹ دیا۔ لگتا ہے کہ فیض احمد فیض کا یہ شعر انہی کے حوالے سے ہے:

جو ہم پہ گزری سو گزری مگر شب ہجراں
ہمارے اشک تیری عاقبت سنوار چلے

اسی طرح مولانا محمود مدنی کا یہ بیان کہ برصغیر کی تقسیم مسلمانوں کی تقسیم تھی دراصل برصغیر کے مسلمانوں کو گالی دینے کے مترادف ہے کیونکہ اس "تقسیم" کے "مجرم" برصغیر خصوصاً مسلم اقلیتی علاقوں کے مسلمان خود تھے۔ مولانا کے دل میں اپنے بزرگوں کی نافرمانی کرنے والے مسلم عوام کے خلاف جو غصہ تھا وہ انہیں مسلمانوں پر اتارنے کی بجائے کانگریس کی تنگ نظر ہندو قیادت پر اتارنا چاہئے تھا جو مسلم قیادت کو متحدہ ہندوستان میں مسلم حقوق کے تحفظ کے مطالبے سے پرے دھکیلتے دھکیلتے بالآخر ایک آزاد اور خودمختار مسلم ریاست کے مطالبے تک کھینچ لائی۔ مولانا اور ان کے ہم نواؤں کو تسلیم کر لینا چاہئے کہ برصغیر کے مسلمانوں نے ان کی جماعت کو مکمل طور پر رد کر دیا تھا، چنانچہ اب وہ جو کچھ کہہ رہے ہیں، وہ جنگ کے بعد کا مکہ ہے جو اپنی توانائیوں کو ضائع کرنے کے مترادف ہے۔

مولانا کی ایک اور بات مفروضے کی ذیل میں آتی ہے اور وہ کشمیر کے حوالے سے تھی۔ مولانا نے فرمایا کہ ہندوستانی (مقبوضہ) کشمیر میں پاکستانی کشمیر کے مقابلے میں زیادہ ترقیاتی کام ہوا ہے۔ میں نے مقبوضہ کشمیر نہیں دیکھا، ایک کشمیری کے طور پر بھی میری یہ زبردست خواہش

رہی ہے کہ میں کبھی اپنے آبا ؤ اجداد کی سرزمین دیکھ سکوں جس کے پورا ہونے کی فی الحال کوئی امید نظر نہیں آتی چنانچہ مجھے علم نہیں کہ وہاں ترقیاتی کام کی کیا صورتحال ہے، البتہ میں نے زلزلے سے پہلے کا اپنا کشمیر ضرور دیکھا ہے اور جانتا ہوں کہ وہاں کوئی گاؤں بھی ایسا نہیں جہاں سکول، ڈسپنسری، بجلی اور سڑکیں نہ پہنچائی گئی ہوں، پہاڑی سلسلوں میں یہ کام اتنا آسان نہیں، لیکن الحمدللہ ہماری نااہل حکومتوں کے باوجود یہ کام بہرحال ہوا اللہ کرے کبھی مولانا کو آزاد کشمیر اور مجھے مقبوضہ کشمیر جانے کا موقع ملے تاکہ ہم ایک دوسرے کے بیان کو حقیقت کے پیمانے پر پرکھ سکیں، تاہم اگر ایک لمحے کے لئے مولانا کے اس مفروضے کو حقیقت بھی تسلیم کر لیا جائے تو کیا اس کام کے معاوضے کے طور پر کشمیر غاصب بھارت کی جھولی میں ڈال دینا چاہیے؟ مولانا اگر اس منطق کے حامی ہیں تو پھر ہندوستان پر غاصب انگریز کا بھی حق تھا کہ اس نے تو برصغیر میں جو ترقیاتی کام کئے ان کی نہ صرف یہ کہ مثال نہیں ملتی بلکہ ہم دونوں ملک ابھی تک اس کے قائم کئے ہوئے انفراسٹرکچر ہی کا دیا کھا رہے ہیں۔ تحریک آزادی کے دنوں میں مولانا اگر بڑے ہوتے اس منطق کی رو سے وہ ممکن ہے اپنے سامراج دشمن بزرگوں سے اختلاف کا اظہار کرتے نظر آتے۔

مولانا محمود احمد مدنی کے بارے میں مجھے یہ خوش گمانی تھی کہ علمی، دینی اور سیاسی خانوادے کے ایک فرد کے طور پر وہ اگر کوئی سوال اٹھائیں گے تو ان کے کمزور سے کمزور سوال میں بھی زندگی کی ایک آدھ رمق ضرور ہوگی مگر انہوں نے اس حوالے سے مجھے بہت مایوس کیا، مثلاً قیام پاکستان پر ان کا ایک اعتراض یہ تھا کہ جب ہندوستان کے مختلف علاقوں کے مسلمان کسی ایک جگہ جمع ہوں گے تو اپنی مختلف ثقافتوں اور مختلف جغرافئے کی وجہ سے ان کے لئے اکٹھے رہنا ممکن نہیں ہوگا۔ یہ بہت عجیب و غریب منطق ہے، کیونکہ ثقافت جہاں زمینی چیز ہے وہاں اس میں مذہب کی خوشبو بھی موجود ہے، سو اگر مولانا مختلف بلکہ متضاد ثقافتوں کے حامل اپنے ہم وطنوں کے ساتھ خوش و خرم رہ سکتے ہیں تو مسلمان پاکستان میں ایک دوسرے سے مماثل ثقافتوں میں کیوں نہیں رہ سکتے؟ میں پنجاب میں رہتا ہوں لیکن میں خود کو ثقافتی طور پر کسی پنجابی ہندو کی نسبت یو پی، سی پی سے ہجرت کر کے پاکستان آئے ہوئے کسی مسلمان کے زیادہ قریب محسوس کرتا ہوں بلکہ گزشتہ ساٹھ برسوں سے ایک دوسرے کے ساتھ رہنے کی وجہ سے اب آہستہ آہستہ ایک پاکستانی ثقافت کے برگ و بار پھوٹتے نظر آنے لگے ہیں۔ پاکستان کی قومی زبان اردو اور چاروں صوبوں میں اس کے چلن کی وجہ سے بھی تمام صوبوں اور ثقافتوں کے لوگ ایک دوسرے کے زیادہ قریب آ گئے ہیں۔ اس سے قطع نظر مولانا سے میں نے مودبانہ ایک بات بھی پوچھنا ہے اور وہ یہ کہ اگر ہم سب نے ایک دن مرنا ہے تو جنت میں چونکہ مختلف ثقافتوں کے حامل مسلمان جمع ہوں گے تو کہیں مولانا کو اس ثقافتی امتیاز کی وجہ سے اپنا دم گھٹتا تو نہیں محسوس ہوگا؟ تفنن برطرف اب دوبارہ اصل موضوع کی طرف آتے ہیں، پاکستان میں بسنے والے لوگ تھوڑے بہت ثقافتی فرق کے باوجود ہم مذہب ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے کے زیادہ قریب ہیں، یہ کوئی مذہبی تعصب نہیں کیونکہ اس کا تعلق اس ثقافتی ہم آہنگی سے ہے جس کے ڈانڈے مذہب سے جا ملتے ہیں، مولانا ابھی اتنے بوڑھے نہیں ہیں کہ انہیں بے سروپا باتیں کہنے کا مارجن دیا جائے چنانچہ اس موضوع پر مزید بات کرنے کی بجائے میں ایک بار پھر ان سے گزارش کروں گا کہ وہ پاکستان تشریف لائیں اور اپنی آنکھوں سے دیکھیں کہ قدرے مختلف ثقافتوں کے حامل مسلمان ایک دوسرے کے ساتھ کس طرح شیر و شکر رہ رہے ہیں، یہ جو آپ کو خون کے پیاسے نظر آتے ہیں، یہ عالمی دہشت گرد گروہ کے ارکان ہیں جو دہشت گردی میں تو کامیاب ہو جاتے ہیں لیکن یہ گروہ ابھی تک اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود پاکستانی مسلمانوں کو باہم دست و گریباں کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ باقی جہاں تک ہمیں درپیش مسائل کا تعلق وہ غیر منصفانہ معاشی نظام، فوجی آمروں اور نااہل حکمرانوں کی دین ہیں، تاہم اس سے کہیں زیادہ بڑے مسائل خود ہندوستان کو بھی درپیش ہیں۔

مولانا نے اپنے انٹرویو میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ برصغیر کی تقسیم دراصل برصغیر کے مسلمانوں کی تقسیم ہے، میں نے ان کے ان اعتراض کا ذکر گزشتہ کالم میں ضمناً کیا تھا، مگر ایک قاری نے فون پر اس حوالے سے تفصیلی اظہار خیال کے لئے کہا ہے، ان کا کہنا ہے کہ پاکستان کے مخالف اس "دلیل" کو اکثر استعمال کرتے ہیں حالانکہ میرے نزدیک یہ کوئی دلیل نہیں ہے، یہ فیصلہ کسی ادارے نے نہیں کیا، خود ہم مسلمانوں نے کیا ہے، نیز یہ کہ قیام پاکستان کے بعد بھی پاکستان نے اپنے دروازے ہندوستانی مسلمانوں پر بند نہیں کئے چنانچہ پاکستان ہجرت کرنے کا یہ سلسلہ 1966 یعنی 40 سال تک جاری رہا اور لاکھوں کی تعداد میں ہندوستانی مسلمان پاکستان آئے جن کا کھلے بازوؤں سے استقبال کیا گیا، اس کے بعد جو مسلمان وہاں رہے وہ اپنی مرضی سے رہے۔ اس مسئلے کا ایک پہلو اور بھی ہے اور وہ یہ کہ اگر کسی خطے میں کسی بلا سے لاکھوں زندگیاں خطرے میں پڑ جائیں اور امدادی کام کرنے والی تنظیمیں زیادہ سے زیادہ لوگوں کو وہاں سے نکال کر لے آئیں تو انہیں اس پر شاباش ملنا چاہیے یا انہیں مطعون کرنا چاہیے؟ مولانا نے اپنے انٹرویو میں بلاواسطہ اپنے اس الزام کی خود بھی تردید کر دی ہے، انہوں نے فرمایا کہ

ہندوستانی مسلمان ہندوستان میں نہ صرف یہ کہ بہت خوش ہیں بلکہ وہ پاکستانی مسلمانوں سے زیادہ خوشحال بھی ہیں، اس کے بعد تو پریشانی کی کوئی بات ہی نہیں رہ جاتی ہم تو پورے برصغیر کو بلکہ پوری دنیا کے انسانوں کو بلا امتیاز مذہب وملت ورنگ ونسل خوش دیکھنا چاہتے ہیں خصوصاً بھارت میں مقیم مسلمانوں کی خوشیاں ہمیں سب سے زیادہ عزیز ہیں چنانچہ تقسیم سے اگر بھارتی مسلمانوں کو فائدہ ہوا ہے اور وہ ہم سے زیادہ خوش ہیں تو مولانا اس پر پریشان کیوں نظر آتے ہیں؟ ویسے مولانا کی خوشحالی والی بات پر مجھے ایک دفعہ پھر انہیں دورہ؟ پاکستان کی دعوت دینا پڑ رہی ہے۔ وہ ایک دفعہ ہمارے ہاں تشریف تو لائیں انہیں خود بخود حقیقت حال کا اندازہ ہو جائے گا۔ میں اس ضمن میں صرف ایک اشارہ دینا چاہوں گا اور وہ یہ کہ قیام پاکستان کے 40 سال بعد تک لاکھوں ہندوستانی مسلمان ہجرت کر کے پاکستان آتے رہے ہیں، مگر یہاں سے کتنے لوگ ہیں جو ہندوستان کی ''جنت'' میں واپس گئے ہوں؟ مولانا اپنے ہاتھ کی انگلیوں سے ان کی تعداد بتا سکتے ہیں، مولانا یقیناً یہ بھی جانتے ہیں کہ ہندوستان کے جن علاقوں میں مسلمان معاشی طور پر سر اٹھانے لگتے ہیں، وہاں ان کا قتل عام شروع ہو جاتا ہے اور ان کی جائیدادیں اور کاروبار باقاعدہ منظم طریقے سے تباہ کر دیئے جاتے ہیں، احمد آباد اور گجرات اس کی مثالیں ہیں۔

مولانا محمود احمد مدنی نے پاکستان پر دہشت گردی کا الزام عائد کرتے ہوئے ممبئی حملوں کی مثال دی۔ غیر ریاستی عناصر کی اس حرکت پر ہم پاکستانی مسلمان شرمندہ ہیں اور محسوس کرتے ہیں کہ جس کسی نے یہ حرکت کی وہ پاکستان اور اسلام کا بدترین دشمن ہے لیکن مولانا کو کچھ باتیں یاد دلانے کی ضرورت ہے تاکہ جس طرح وہ اپنے غیر ریاستی افراد کی حرکت پر شرمندہ ہیں، وہ اپنے ریاستی عناصر کے بارے میں بھی غور فرمائیں، وہ جس ریاست کے مکین ہیں، اس نے بطور ریاست مشرقی پاکستان میں مکتی باہنی کو منظم کر کے مسلمانوں کا قتل عام کیا اور پھر پاکستان کے اس حصے پر باقاعدہ حملہ کر کے اسے ہم سے جدا کر دیا۔ جو گناہ مشرقی پاکستان میں ہم سے سرزد ہوئے تھے، اس کی سزا ہمیں ملنا ہی ملنا تھی لیکن کیا انڈیا کو اس گناہ سے بری الذمہ قرار دیا جا سکتا ہے جو اس نے بین الاقوامی مسلمہ اصولوں کی خلاف ورزی کی صورت میں کیا؟ اس طرح بلوچستان میں خصوصاً اور پاکستان کے دوسرے حصوں میں ہندوستان کی دہشت گردی کے باقاعدہ شواہد موجود ہیں، مولانا اگر اللہ آپ کو توفیق دے تو کبھی اس پر بھی ضرور غور فرمائیں!

اور اب آخر میں مجھے کامران شاہد کا شکریہ ادا کرنا ہے کہ انہوں نے اپنے انٹرویو سے مولانا کے داخلی اور خارجی تضادات کو ایکسپوز کیا اور مولانا کے لئے ایک برادرانہ مشورہ اور وہ یہ کہ ان کی جمعیت علمائے ہند نے 1947ء میں ہندو کانگریس سے اتحاد کر کے قیام پاکستان میں ہر ممکن رکاوٹ پیدا کرنے کی کوشش کی، لیکن برصغیر کے تمام مسلمان بیک آواز ہو کر قائد اعظم کی مسلم لیگ کے پرچم تلے جمع ہو گئے، یوں جمہوری بنیادوں پر کانگریس اور جمعیت علماء ہند کے موقف کو برصغیر کے مسلمانوں نے رد کر دیا۔ اب ان کی اسلام پسندی نہیں، جمہوریت پسندی سے میرا مطالبہ ہے کہ وہ صبر شکر سے کام لیں، مسلم لیگ کے مینڈیٹ کو دل سے تسلیم کریں تاکہ ہندوستان اور پاکستان بہترین ہمسایوں کی طرح ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں شریک ہوں، اسی میں برصغیر کے مسلمانوں، ہندوؤں، سکھوں، عیسائیوں اور دوسرے مذاہب کے لوگوں کی فلاح ہے، آئیں فلاح کی طرف آئیں۔ (بشکریہ روزنامہ جنگ)

☆☆☆

حرمین کی یادیں

شاہ جی حرمین میں ـــــ دست گیر و بندۂ خاص الٰہ

صاحبزادہ حسنات احمد مرتضیٰ

حج اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ایک اہم رکن ہے۔ ہر صاحب حیثیت مسلمان پر اس کی ادائیگی لازم ہے۔ حج ادا کرتے ہی گناہ معاف ہوتے ہیں۔ حدیث شریف کے مفہوم کے مطابق حاجی گناہوں سے یوں پاک ہوتا ہے جیسے بچہ ماں کے پیٹ سے معصوم پیدا ہوتا ہے۔ حج کردار سازی کے لئے انتہائی اہم وسیلہ ہے۔ اس کے فرض ہوتے ہی اس کو ادا کرنے کی سعی کرنا اور حرمین شریفین کی حاضری ایک مسلمان کے لئے سرمایہ حیات بھی ہے اور وسیلہ نجات بھی۔

کوئی چاہے مجھ کو لینا
تو حوالہ دے انہی کا
مرا مدتوں سے اب تو
یہی دام چل رہا ہے

عبادت و ریاضت میں منزل آشنا کرنے والے راہبر و راہنما کا میسر آنا اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہی ممکن ہوتا ہے، وگرنہ کتنے لوگ خود ہی ہادی و مربی کے بغیر بہت دور جا بھٹکتے ہیں اور بہت سے صراط مستقیم کی آشنائی کے تصور سے بھی بعید، خود بھی اور دوسروں کو بھی غفلت کے اندھیروں میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ بہر حال ان لوگوں کو اپنے اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے جن کو منزل مقصود کی راہوں میں ڈالنے والے ہادی و مرشد نصیب ہو جاتے ہیں۔ شاکرین کی جماعت کا ادنیٰ اور تہی دامن خادم ہونے کے اعتبار سے رب کریم کا شکر بجالاتا ہوں کہ مجھ جیسے نکمے کو بھی قائد اہل سنت علامہ پیر سید ریاض حسین شاہ ایسے راہبر و راہنما اور مرشد و مربی کی غلامی نصیب ہوئی۔ 1991 میں پہلی بار قبلہ شاہ جی صاحب کی زیارت کی سعادت حاصل ہوئی اور اسی وقت سے آپ نے اپنی نوکری میں قبول فرمایا ہوا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب بھی اپنا جائزہ لینے کی کوشش کی ہے تو اپنے دامن میں قبلہ شاہ جی صاحب کی غلامی کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ زندگی کے وہی لمحے کامیاب ہیں جو حضرت شاہ جی کی صحبت، زیارت، معیت میں گزرتے ہیں۔ ہمیشہ آرزو ہوتی ہے کہ شاہ جی کی صحبت میں زیادہ سے زیادہ گھڑیاں گزارنے کی سعادت مل جائے۔ اپنی غفلتوں کے باوجود بھی قبلہ شاہ صاحب کی نظر عنایت، شفقت، نوازش اور مہربانیوں کا ایک ایسا دراز سلسلہ ہے جسے الفاظ کے قالب اور جملوں کی تراکیب میں ڈھالنے کی ہرگز سکت اور جرات نہیں۔

دست گیرد بندۂ خاص الٰہ   طالبان را می برد تا پیشگاہ

اللہ تعالیٰ کا خاص بندہ دستگیری کرتا ہے۔ وہ طالبوں کو اللہ تعالیٰ کی درگاہ تک لے جاتا ہے۔

خانوادہ رسالت مآب کے عظیم چشم و چراغ حضرت شاہ صاحب کے دیدار میں یاد الٰہی کے نظارے، ہی مقدر سنوارنے کے لئے خوش قسمتی کی علامت ہے لیکن حرمین کا سفر قبلہ پیر و مرشد کی قیادت میں نصیب ہونا اللہ کریم کا بہت بڑا فضل اور اس کی عطا ہے۔ تین بار عمرہ اور اب حج بیت اللہ کی سعادت حضرت شاہ جی کی سیادت میں مقدر ہوئی۔ گزشتہ چند سالوں سے یہ بات سننے میں آرہی تھی کہ حضرت مفسر قرآن حج کے لئے روانہ ہوں گے۔ سینکڑوں سنگیوں کی طرح میرے دل میں بھی یہ تڑپ اور آرزو پیدا ہوتی کہ قائد اہل سنت کی قیادت میں حج نصیب ہو جائے تو حج کا مزا پھر ہی آئے گا، لیکن دور اول کی یادوں کو تازہ کرنے والے حضرت شاہ جی ہا ہو، ہٹو بچو اور خواہ مخواہ لاؤ لشکر کے طریقوں کی ہمیشہ حوصلہ شکنی فرماتے ہیں۔ آپ عاجزی، انکساری، سادگی اور یادگار اسلاف کا عملی پیکر ہیں۔ سنگیوں کو اس وقت خبر ہوئی جب کاغذات جمع کروانے کی تاریخ گزر چکی تھی مجھے بھی آخری لمحات ہی میں یہ موقع ملا۔ حضرت شاہ صاحب کی معیت میں اس بار حافظ محمد قاسم شیخ محمد بہاؤ الدین، فاروق احسن، لیاقت علی اور راقم کو سفر حج کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔

آپ کے ساتھ جو حج پر روانہ ہو گا
شاہ جی اس کا سفر کتنا سہانا ہو گا

مناسک حج رب کریم کے محبوب بندوں کی یادوں اور نسبتوں کو تازہ کرنے کا ایک اہتمام بھی ہے۔ حاجی قدم قدم پر ان نسبتوں کی خیرات حاصل کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قبلہ شاہ صاحب کے سفر حج کا آغاز بھی انہی نسبتوں کے ساتھ ہوا۔ 22۔ نومبر 2009 کو نور و رحمت کی چادر اوڑھے، ایک سنجیدہ سہ پہر، وقار و متانت کے پیکر حضرت شاہ صاحب اپنے گھر سے ادارہ تعلیمات اسلامیہ کی جامع مسجد غوثیہ کی عقبی جانب سے ہوتے ہوئے سادات کے مزارات پر دست بدعا ہوئے۔ دعا کے بعد طلبا میں کثیر رقم تقسیم فرمائی اور ائرپورٹ جانے کے لئے ایمز کے گراؤنڈ میں کھڑی گاڑی میں تشریف فرما ہوئے۔ اہل محبت خواہش رکھتے تھے کہ اسلام آباد ہوائی اڈے پر اپنے محبوب قائد کو الوداع کیا جائے۔ لیکن ایک دن پہلے ہی تنگی درس، محفل ذکر، زیارت اور ملاقات کی سعادت حاصل کر چکے تھے۔ ملکی حالات اور سیکورٹی کے مسائل نہ بھی

شاکرین کی جماعت کا ادنیٰ اور تہی دامن خادم ہونے کے اعتبار سے رب کریم کا شکر بجالاتا ہوں

ہوں پھر بھی حضرت شاہ صاحب جلوسوں کے ہنگاموں اور شہرت کے انداز کی بجائے خاموشی، سادگی اور فقیرانہ اطوار کو ہی ترجیح دیتے ہیں۔

پاکستان کے دارالحکومت کے بین الاقوامی ہوائی اڈے پر بورڈنگ کی کاروائی سے فراغت کے بعد قبلہ شاہ صاحب نے احرام کی سفید چادروں کو اپنے وجود سے مس ہونے کی سعادت بخشی۔ احرام میں ملبوس، مہندی لگی داڑھی، درمیان سے سنت کے مطابق مانگ، نور بانٹتی کشادہ پیشانی، روشن چہرہ، شمشاد قد، خوبصورت و دلکش وجود، میں شاہ جی کی شخصیت دلوں میں اترتی اور روحوں میں کھبتی جا رہی تھی۔ جی چاہ رہا تھا کہ کیمرے میں ان خوبصورت یادوں کو محفوظ کر لیا جائے، لیکن دل، دماغ اور ذہن ہی نے یہ مرحلہ نبھایا۔ شاہ جی وی آئی پی لاؤنج کی بجائے سنگیوں کے ہمراہ تشریف فرما ہوئے۔ نماز عصر و مغرب کی ادائیگی، جہاز میں سوار ہونے کا مرحلہ، دوران سفر مختلف شخصیات سے ملاقات، جہاز میں بظاہر سونے کی کیفیت لیکن حقیقت ہم بے سمجھوں کی سمجھ سے بالا، دوران سفر تاخیر سمیت کئی مرحلوں میں بے مثال صبر و تحمل اور بردباری کے عملی نمونے کی کئی داستانیں رقم کی جا سکتی ہیں۔

هر که صبر آورد گردوں بر رود
هر که حلوا خورد واپس تر رود

جو صبر اختیار کر لیتا ہے آسمان سے بلند ہو جاتا ہے، جس نے حلوا کھایا (لذائذ جسمانی سے انسان کا تنزل ہوتا ہے) وہ لوٹ جاتا ہے۔

انتظار و علالت مشکل اور صبر آزما مرحلے ہیں، خصوصاً جب منزل محبوب کا آستاں ہو۔ جدہ ائرپورٹ پہنچے تو انتظار کی طوالت سے دوچار ہونے۔ گھنٹوں پر محیط انتظار کا یہ سلسلہ نہ جانے کب ختم ہونا تھا۔ حضرت قبلہ شاہ صاحب کی طبیعت پہلے ہی ناساز تھی، اگرچہ ڈاکٹر نے تجویز بھی کیا کہ آپ سفر نہ فرمائیں، لیکن قبلہ شاہ صاحب کا موقف ہے کہ جب تک سانسوں کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری ہے، حیات کا ہر لمحہ دین رسول کے لئے ہی وقف رہے اور محبوب کے آستاں پر حاضریوں کا سلسلہ جاری رہے۔ بات طبیب کی چلی تو یہ بھی عرض کروں کہ چند سال پہلے حضرت شاہ جی کو جب قلب کا عارضہ لاحق ہوا تو اس موقع پر بھی طبیبوں نے تقاریر اور خطبات میں کمی لانے کے مشورے دیئے، لیکن اپنی زندگی کا لحظہ لحظہ غلامی رسول کے لئے وقف کرنے والے حضرت شاہ جی نے اپنے خطبات کے دورانیے کم کرنے کی بجائے بڑھا دیئے۔ توقع یہ تھی کہ نصف شب یا سحری میں عمرہ کی ادائیگی ہو جائے گی، لیکن جدہ میں انتظامات کے مرحلے اس قدر بڑھے کہ رات بیتی، اگلا دن بھی گزرا اور پھر آئندہ رات عمرہ کے لئے حرم کعبہ کی طرف بڑھے۔

جدہ کا ائرپورٹ ہو یا حج ٹرمینل عازمین حج کو خاصے مشکل مراحل سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ حضرت شاہ جی کی علالت بڑھی اور طبیعت زیادہ بوجھل ہوئی تو انتظار گاہ کی مسجد میں تشریف فرما ہوئے۔ احرام کی پابندیوں میں ہی شفا خانے کی بجائے مسجد کی چٹائی پر دراز ہوئے۔ خدام نے عرض کیا، شاہ جی اگر اجازت ہو تو ڈاکٹر کا بندوبست کیا جائے، لیکن آپ نے ہسپتال کے ڈاکٹروں کے پاس جانے کی بجائے طبیبوں کے طبیب ہی کی بارگاہ میں عرض کناں ہونے کو ترجیح دی۔ ویسے بھی خیال یہ گزرتا ہے کہ مقربین کی زندگی کے مختلف مرحلوں میں مختلف حکمتیں پوشیدہ ہوتی ہیں۔ اسی طرح اللہ والوں کی علالت و بیماری بھی اختیاری اور کئی رازوں پر محیط ہوتی ہے۔ جان کائنات کا فقر اختیاری ہو تو اسوہ حسنہ کو اپنانے والوں کی علالت و بیماری بھی اختیاری ہو سکتی ہے۔ سنابل نور میں شاہ جی نے اپنے پیر و مرشد قبلہ حضرت لالہ جی کا ذکر فرمایا کہ اپنی پہلی بیوی کی شدت مرض کی وجہ سے ایک موقع پر آپ دعا فرمانے لگے تو صابرہ، شاکرہ زوجہ نے کہا رہنے دیں اس لئے کہ بیمار سے تو فرشتے ہاتھ ملاتے ہیں۔ اسی طرح علالت میں یہ حکمت بھی پنہاں ہو سکتی ہے کہ ہم جیسے عاصیوں اور غفلتوں میں ڈوبے ہوئے ہر وقت صحبت کے سرمائے کی تلاش میں ہوتے ہیں، لیکن مقربین الٰہ نے اپنا بہت سا وقت صرف اور صرف مطلوب و مقصود کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہوتا ہے، فلہذا علالت و بیماری میں دنیا و مافیہا کے ہنگاموں سے کٹ کر وہ اپنے مقصود سے قرب کی لذتوں اور لطافتوں کو حاصل کرتے ہیں۔ قبلہ شاہ جی نے منیٰ میں اپنی گفتگو کے دوران اس بات کا انکشاف بھی فرمایا کہ جدہ ائرپورٹ پر خفیف حملہ قلب (Mini Heart attack) لاحق ہوا اور ہسپتال جانے سے اس لئے پرہیز کیا کہ چیکنگ کے مرحلے طوالت اور تاخیر اختیار کر گئے تو مناسک حج کی مکمل ادائیگی نہ ہو سکے گی۔ ساتھ ہی ساتھ ہلکے پھلکے انداز میں قبلہ شاہ جی نے ان روحانی کیفیتوں اور لطافتوں کا بھی تذکرہ فرمایا جو انتظار گاہ کی مسجد میں ناسازی طبع کی وجہ سے بظاہر سوتے ہوئے منزل مقصود کی حاضریاں عطا کی گئیں، لیکن ان حقیقتوں کو الفاظ کے قالب میں ڈھالنا از بس دشوار بھی ہے اور ہماری رسائی سے بالا بھی ہے۔ یہ محب و محبوب، عاشق و معشوق کے راز و نیاز کی باتوں کو وہی زیادہ جانتے ہیں، جو ان حلاوتوں کو حاصل کرتے ہیں۔

میرے افکار کی زینت ہے دیار طیبہ

میرے ہر سانس میں ہے شہر کرم کی نکہت

قیام مکہ کے دوران رہائش عزیزیہ (مکہ شریف کا ایک محلّہ) میں تھی۔ وہاں سے حرم پہنچنے کا راستہ تقریباً بیس سے تیس منٹ کا ہے، لیکن حج کے دوران ہجوم اور ٹریفک کے زیادہ ہونے کی وجہ سے قریباً تین گھنٹوں میں حرم میں حاضری ہوئی۔ ہماری معلومات کے مطابق یہ پہلا موقع تھا کہ حضرت شاہ جی صاحب علالت کی وجہ سے گاڑی سے اترنے کے بعد عمرہ کی ادئیگی کے لئے ویل چیئر پر تشریف فرما ہوئے۔ قبلہ شاہ جی حرم پہنچے تو منتظر سنگیوں کو قبلہ شاہ جی کی معیت وراہنمائی میں عمرہ کی ادائیگی نصیب ہوئی۔ طواف کے سات چکر ہوں یا صفاومروہ کی سعی، خدام کو ویل چیئر کے ذریعے خدمت کا موقع نصیب ہوا۔ حضرت شاہ جی دوران طواف بڑے ہی پرسوز لہجے میں اس دعا کا ورد فرماتے:

اللهم انی اسئلك راحة عندالموت والعفو عند الحساب

طواف وسعی کے لئے دوسری منزل کا ہی انتخاب کیا گیا۔ حجر اسود کے بوسے کے لئے حضرت شاہ جی اپنا ہاتھ بلند کر کے استلام فرماتے ور آپ ہمیشہ یہی فرماتے ہیں کہ شریعت میں ہجوم اور بھیڑ کے موقع پر دوسروں کو زحمت اور دھکے دے کر حجر اسود کا بوسہ لینے سے منع کیا گیا ہے۔ دور سے ہی استلام کرنے سے وہی فضیلت حاصل ہو جاتی ہے جو لبوں کو حجر اسود سے مس کرنے سے نصیب ہوتی ہے۔ طواف، مقام براہیم پر دو رکعت، آب زم زم نوش کرنے، صفا و مروہ کی سعی، دعاو مناجات اور حلق کی سنت ادا ہوتے ہی عزیزیہ روانہ ہو گئے۔ آٹھ ذوالحج حاجیوں کو منیٰ میں نماز ظہر ادا کرنا ہوتی ہے۔ آقائے کریم ﷺ نے بھی حج کے موقع پر نماز فجر حرم کعبہ اور نماز ظہر منیٰ میں ادا فرمائی۔ بعد نماز فجر ہی منیٰ کی طرف روانگی مسنون ہے۔ بہت سے لوگ عدم واقفیت، کثرت ہجوم، مناسب راہنمائی کے فقدان، انتظامی لوگوں کی مجبوریوں کی وجہ سے ایک رات پہلے ہی منیٰ پہنچ جاتے ہیں، لیکن قبلہ شاہ جی کی راہنمائی میں آٹھ ذوالحج کو بعد از اشراق ہی عزیزیہ سے منیٰ کے خیموں میں جانے کے لئے گاڑی میں سوار ہوئے۔ طارق رشید، مبشر رشید، مدثر رشید برادران نے شاہ جی کے لئے ایام حج میں ڈرائیور و گاڑی مخصوص کر رکھی تھی، قبلہ شاہ جی گاڑی میں تشریف فرما ہونے تو یہ کلمات پڑھانے لگے:

لبيك اللهم لبيك، لا شريك لك لبيك، ان الحمد والنعمة لك و الملك ،لا شريك لك

رب کی بارگاہ میں حاضری کے ورد کے ساتھ ہی باران رحمت کا نزول ہوا۔ چھما چھم بارش میں گاڑی منزل کی طرف بڑھی ہی تھی کہ ٹریفک کنٹرول کرنے والوں کی بادشاہی کا شکار ہو گئے وہ کہنے لگا دوسرا راستہ اختیار کرو، دوسری جانب سے تیسرے اور تیسری جانب سے چوتھے راستے کو اختیار کرنے کا کہا گیا۔ سعودی شرطوں کی من موجی کے کیا کہنے کہ کسی کو جانے دیتے اور کسی کو روک کر دوسرے، تیسرے، چوتھے اور پانچویں راستے کو اختیار کرنے کا حکم مسلط کیا جاتا۔ یار محمد نے ہر راستے کو اختیار کیا لیکن واپس کر دیا جاتا شہر مکہ کے مختلف راستوں پر دیوانہ وار گاڑی چلائی جا رہی تھی۔ آخری راستے پر حکومتی نمائندوں نے گاڑی واپس، تو ڈرائیور نے گاڑی کا چکر کاٹا اور پھر کوشش کی لیکن پھر ناکامی ہوئی۔ آخر تھک کر یار محمد ڈرائیور نے اگلی ہی سیٹ پر تشریف فرما قبلہ شاہ جی کی خدمت میں عرض کیا۔ پیر جی مجھے مکہ میں کئی سال سے گاڑی چلانے کا موقع ملا ہوا ہے۔ ہر راستے سے واقف ہوں، ہر راستے سے ناکامی ہوئی اور اس راستے سے بھی دو بار کوشش کر چکا ہوں لیکن معاملات آپ کے سامنے ہیں اور شرطوں کو یہ بتایا جائے کہ میرے پاس اجازت نامہ بھی ہے تو پھر بھی یہ نہیں مانتے، اپنے ساتھی کا ذکر کرنے لگا کہ اس نے اجازت نامہ دکھایا تو ٹریفک کنٹرول کرنے والوں نے اس کو لے کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ اب پیر جی آپ ہی توجہ فرمائیں تو کام بن سکتا ہے۔ یار محمد نے قبلہ شاہ جی کی خدمت میں عرض کیا کہ پیر جی تین چار گھنٹوں سے شدید طوفانی بارش میں گاڑی چلا رہا ہوں۔ اب تیسری بار اسی راستے سے چکر لگا کر کوشش کرتا ہو، آپ توجہ فرمائیں گے تو آپ کی دعاؤں ہی سے یہ مشکل مرحلہ آسان ہو جائے گا۔ یہ کہنے کے بعد س نے گاڑی تیسری بار اسی راستے پر ڈال دی، اب کی بار گاڑی گزرنے میں کامیابی ہوئی۔ میں سوچنے لگا کہ چار گھنٹے تک خود بیسیوں کوششیں کیں، جب ہر کوشش رائیگاں گئی تو پھر شاہ جی کی خدمت میں عرض کیا گیا۔ یہ پہلے ہی کہہ دیتا لیکن ایسا نہ ہوا اور شاہ جی بھی خاموشی سے تشریف فرما رہے لیکن مختلف راہوں پر سے گزر رہوتے ہوئے احساس ہو رہا تھا کہ یہ وہ شہر جہاں محبوب کا میلاد ہوا، بچپن اور جوانی گزری، حیات نور کے چالیس سال اور پھر اعلان نبوت کے بعد بھی تیرہ سال انہی راستوں کو نعلین مصطفےٰ ﷺ کو چومنے کی سعادت ملی۔ باران رحمت میں شاہ جی کی صحبت میں ہمیں بھی بار بار لا اقسم بھذا البلد کے راستوں پر دیوانگی ووارفتگی کا موقع ملا۔

جسم آداب کے سانچے میں ڈھلا رہتا ہے
حرم پاک کی ہر دل میں ہے ایسی عظمت

منیٰ خیمے میں پہنچتے ہی قبلہ شاہ جی نے نماز ظہر ادا فرمائی۔ شاہ جی والا خیمہ تو پانی سے محفوظ رہا لیکن بہت سے خیموں کو بارش کے پانی نے

لڑکے اور لڑکیاں گھر والوں کی مرضی کے بغیر ہی شادی رچا لیتے ہیں

خوب سیراب کیا۔ ادھر ہی خبر سنی گئی کہ بارش اس قدر شدید کہ جدہ میں انعکاس کے مناسب انتظام نہ ہونے کی وجہ سے سیلاب آیا، جس میں تقریباً چار سو لوگ سیلاب کی نذر ہو گئے۔ بارش کی شدت کی وجہ سے تمام لوگ خیموں میں ہی موجود تھے۔ شاہ جی کی علالت نے ایک حملہ پھر کیا کچھ دیر تک خیمے میں سبھی لوگ بہت فکر مند ہوئے لیکن اللہ تعالیٰ نے بڑا کرم فرمایا جلد ہی طبیعت سنبھل گئی۔ ساتھیوں نے اطمینان کا سانس لیا، اس لئے کہ ہر ایک کے زبان و دل سے یہی دعائیں جاری تھی کہ اے رب ہمارے پیارے شاہ جی کو صحت عطا فرما۔ طبیعت سنبھلی تو خیمہ میں موجود ہر ساتھی اس بات کا منتظر تھا کہ حکمت و دانائی کے موتی اپنے دامن میں سمیٹے۔ شاہ جی کے سادہ سادہ انداز اور عام گفتگو میں بھی سننے والوں اور صحبت حاصل کرنے والوں کے لئے ہر قسم کی راہنمائی موجود ہوتی ہے، بلکہ دل میں پیدا ہونے والے سوالوں کا جواب بھی مل جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شاہ جی کے مزاج سے آشنا لوگ بہت کم سوال کرتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ صبر کیا تو خود ہی جواب مل جائے گا، لیکن سوال کرنے والوں کو بھی شاہ جی تسلی بخش جواب عطا فرماتے ہیں، بلکہ بعض اوقات تو ایسے بھی ہوتا ہے کہ کسی نے کچھ پوچھا تو وہ مکمل نشست اسی کے جواب کی نذر ہو جاتی ہے۔ کئی کئی گھنٹے تک شاہ جی اسی عنوان پر مختلف انداز سے علم و حکمت کے موتی ارزاں فرماتے ہیں۔ قبلہ شاہ جی فرمانے لگے کہ جس وقت میرے پاس کوئی سنگی حج یا عمرہ پر جانے سے پہلے حاضر ہوتا ہے تو میں اسے کہتا ہوں کہ حرمین کی حاضری میں اگر بیمار ہوئے تو پریشان نہ ہونا، اس لئے کہ حج یا عمرہ کے دوران بیمار ہونا قبولیت کی علامت ہے، ہر ایک سے کہتا ہوں تو اب یہی کیفیت خود کو بھی مل گئی ہے۔ پھر آپ فرمانے لگے، کہ دکھائی یہ دیتا ہے کہ رب کریم نے ہمارے حج کو قبول فرما لیا ہے۔ ایک سنگی نے کہا شاہ جی ساتھ والوں کا کیا بنے گا۔ قبلہ شاہ جی فرمانے لگے رب کی بارگاہ میں کیا کمی ہے، وہ ساتھ والوں کا بھی قبول فرمائے گا۔ سچی بات تو یہی ہے کہ شاہ جی کے اس جملے نے اطمینان پیدا کر دیا اس لئے کہ خود تو کوئی ایسا عمل نہیں اور نہ ہی مناسک حج اس انداز سے ادا کر سکے کہ لمبی چوڑی امیدیں وابستہ کر لیں، مگر شاہ جی کی قیادت اور معیت میں مناسک حج کا ادا ہونا ہی ہمارے لئے امیدوں کا ایک تازہ جہاں پیدا کرتا ہے۔

بارش تھمی تو شاہ جی تازہ وضو کے لئے تشریف لے گئے۔ خیمے میں ہی جماعت کا سلسلہ قائم ہوا۔ حافظ محمد قاسم شیخ اور راقم کو ایام حج میں مصلی امامت پر ذمہ داری نبھانے کا حکم ہوا۔ علامہ محمد اکبر حاضر ہوئے تو جماعت کا حکم ملا۔ نماز کے بعد شاہ جی نے ان سے احوال دریافت فرمائے انہوں نے کچھ مسائل پر راہنمائی حاصل کی اور اجازت لے کر اپنے خیمے میں روانہ ہوئے۔ کچھ اور سنگی بھی زیارت کے لئے حاضر ہوئے۔ ایک سنگی جانے لگا تو قبلہ شاہ جی نے اس کو کچھ رقم عطا فرمائی۔ وہ جانے ہی لگا کہ آپ اس سے فرمانے لگے اگر پیسوں کی ضرورت ہو تو بتا دینا۔ سنگیوں کے احوال سے ہمہ دم باخبر رہنے والے شاہ جی فرمانے لگے کہ اس پر حج فرض تو نہیں تھا لیکن اس کا ٹکٹ نکلا اور اس کو حرمین کی حاضری کی سعادت نصیب ہوئی۔ شاہ جی خیمے سے باہر تازہ ہوا کے لئے تشریف فرما ہوئے۔ تا حد نگاہ خیموں کی دنیا آباد تھی۔ شاہ جی فرمانے لگے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ حاجیوں کے لئے بہت سی سہولتوں کا اہتمام کر دیا گیا ہے۔ پرانے زمانے میں اس طرح مستقل بنیادوں پر خیمے نہیں لگائے ہوئے تھے بلکہ عارضی بندوبست کیا جاتا تھا۔ قبلہ شاہ جی نے پھر اپنے اس حج کا ذکر فرمایا جس میں آپ کی والدہ صاحبہ نے بھی فریضہ حج ادا فرمایا۔ شاہ جی فرمانے لگے کہ دور دور رہائش ملتی۔ سہولیات نہ ہونے کے برابر تھیں۔ پانی بھی دور سے بھر کے لانا پڑتا۔ شاہ جی فرمانے لگے ہمارے ساتھ جتنے بھی حاجی ٹھہرے میں ان کے لئے پانی لاتا، پانی اٹھا اٹھا کر تھک جاتا تو والدہ صاحبہ اس بات کو دیکھ کر دعائیں دیتیں۔ شاہ جی فرمانے لگے جوانی کے اس زمانے میں میں حاجیوں کی خوب خدمت کرتا۔ جس کو جو ضرورت ہوتی اس کی اس ضرورت کو پوری کرنے کی کوشش کرتا۔ شاہ جی کی ان باتوں کو سن کر دل و دماغ میں جان کائنات کا وہ نور پرور قول تازہ ہونے لگ گیا:

خیر الناس من ینفع الناس

منیٰ میں رات گزارنے کے بعد قیام عرفات کے لئے قافلے رواں دواں ہوتے ہیں۔ نو ذوالحج کی صبح ہی قبلہ شاہ جی عرفات کی طرف بڑھے، رش کے باوجود عرفات میں جلدی پہنچ گئے، لیکن خیمے تک پہنچنے کے لئے کافی کوشش کی گئی۔ عرفات کے میدان میں خیمے تک پہنچنے کے لئے کافی راستوں کے چکر لگے۔ آخر قبلہ شاہ جی نے سائق سے پوچھ ہی لیا کہ خیمے میں جانے کی کیا وجہ ہے؟ وہ عرض کرنے لگا پیر جی وہاں سب کو دوپہر کا کھانا ملتا ہے۔ قبلہ شاہ جی نے فرمایا جو اللہ پاک نے رزق مقرر فرمایا ہے وہ تو نصیب ہو ہی جاتا ہے۔ اگر مقررہ خیمے تک جانے کی صرف یہی وجہ ہے تو پھر صرف اسی کے لئے راستوں کے بند ہونے کی بنا پر بار بار چکر لگانا اور وقت کا یوں گزارنا مناسب نہیں۔

عرفات میں سڑک کے کنارے گاڑی کھڑی کی گئی اور عارضی خیمہ خود ہی نصب کر لیا گیا۔ یار محمد نے چولہا نکالا اور چائے تیار کی۔ فاروق احسن اور لیاقت علی نے تواضع کے لئے فروٹ اور دیگر لوازمات حاضر کئے۔ قبلہ شاہ جی نے چائے نوش فرمائی۔ ظہر و عصر وہی ادا کی گئیں۔ آپ نے عرفات کے میدان کی مسنون دعائیں تلاوت فرمائیں۔ ذکر کی محفل ہوئی، نعت سنی گئی اور قبلہ شاہ جی نے تمام سنگیوں کے لئے دعا فرمائی۔

ہمیشہ آرزو ہوتی ہے کہ شاہ جی کی صحبت میں زیادہ سے زیادہ گھڑیاں گزارنے کی سعادت مل جائے

شاہ صاحب جلوسوں کے ہنگاموں اور شہرت کے انداز کی بجائے خاموشی، سادگی اور فقیرانہ اطوار کو ہی ترجیح دیتے ہیں

حج کا اعظم رکن قیام عرفات ہے۔ حاجی نو ذوالحج کا دن عرفات میں ذکر واذکار اور دعا و مناجات کرتے ہیں۔ مغرب کے وقت گولے کی آواز کے ساتھ ہی تمام حاجی عرفات سے مزدلفہ کی طرف رواں دواں ہوتے ہیں۔ قبلہ شاہ جی گاڑی میں تشریف فرما ہوئے تو آدھ یا پون گھنٹے میں مزدلفہ پہنچ گئے۔ اتنی جلدی مزدلفہ پہنچے تو لیاقت علی کہنے لگے کہ گزشتہ سال حج کیا تو عرفات سے مزدلفہ تک کا سفر مغرب سے لے کر فجر تک طے کیا گیا جب کہ اس بار قبلہ شاہ جی کی برکتوں سے فوری طور پر مزدلفہ پہنچ گئے۔ اس بار بھی فجر کے بعد تک حجاج کے قافلے مزدلفہ پہنچتے رہے۔ مزدلفہ میں خیموں کا اہتمام نہیں ہوتا۔ کھلے آسمان تلے ہی رات گزارنی ہوتی ہے۔ مزدلفہ پہنچ کر رمی جمرات کے لئے کنکریاں جمع کی گئیں۔ احمد بھائی نے گرما گرم پلاؤ حاضر کیا قبلہ شاہ جی کے ساتھ سنگیوں نے کھانا تناول کیا۔ مغرب وعشاء ادا کی گئی۔ قبلہ شاہ جی فرمانے لگے کہ مزدلفہ میں رات سو کر بسر کرنا ہی مسنون ہے۔ نبی علیہ السلام نے مزدلفہ میں رات آرام کر کے ہی بسر فرمائی۔ اس لئے کہ آپ نے صبح اٹھ کر قربانی کی ادائیگی فرمانی تھی۔ آپ ﷺ نے ایک سو اونٹ نحر فرمائے، ساٹھ سے زیادہ اپنے دست مبارک سے اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا۔ خلاصہ کلام یہ کہ مزدلفہ میں آرام کرنا ہی سنت ہے۔ قبلہ شاہ صاحب سنت کی ادائیگی کے لئے محو آرام ہوئے۔

ہوتا ہے جہاں ذکر محمد ﷺ کے کرم کا
اس بزم میں محروم تمنا نہیں کوئی

نو اور دس ذوالحج کی درمیانی شب مزدلفہ کے ناہموار مقام پر بسر ہوئی۔ چٹائی پر قبلہ شاہ جی محو آرام ہوئے۔ آمد و رفت کی وجہ سے گرد و غبار اور قدموں کی آوازیں نیند میں مخل تو ہوتی ہیں، لیکن منیٰ سے عرفات اور پھر مزدلفہ پہنچنے کے مراحل پتھروں اور آنے جانے والوں کے شور کے باوجود نیند پر مجبور کرتے ہیں۔ آنکھ کھلی تو دیکھا کہ قبلہ شاہ جی اپنے رب کے بارگاہ میں تہجد، ذکر اور مناجات میں مشغول ہیں۔ تمام سنگی بھی پیر و مرشد کی اقتداء میں مصروف ہوئے۔ نماز فجر کی ادائیگی کے بعد رمی جمرات کی ذمہ داریوں کو ادا کرنا ہوتا ہے۔ دس ذوالحج (عیدالاضحیٰ) کو دنیا بھر کے مسلمان نماز عید کے لئے بڑھ رہے ہوتے ہیں۔ حاجیوں کو اس دن نماز عید کی بجائے شیطانوں کو کنکریاں مارنے کا آغاز کرنا ہوتا ہے۔ رمی جمرات، قربانی، حلق اور طواف کی ادائیگی کرنا ہوتی ہے۔ قبلہ شاہ جی نماز فجر کے بعد سواری پر سوار ہوئے اور یہ قافلہ رمی جمرات کے لئے بڑھنے لگا۔ شاہ جی کے گھر والے بھی اس مبارک سفر میں قبلہ شاہ جی کے ہمراہ تھے اور انہوں نے علالت کے باوجود شیطان کو کنکریاں مارنے کے لئے طویل پیدل سفر اختیار فرمایا کیونکہ گاڑی تو کافی دور ہی روک لی جاتی ہے۔ شیطان کو کنکریاں مارنے کے ساتھ ہی شاہ جی کے حکم کے مطابق قربانی کرنے والے کو اس سنت کی ادائیگی کے لئے کہا گیا۔ رمی جمار کے بعد قربانی کی سنت ادا کرنا ہوتی ہے۔

رمی جمار کے بعد قبلہ شاہ جی کی معیت میں تمام لوگ مکہ شریف کے معروف پاکستانی ریسٹورنٹ میں کھانے کے لئے پہنچے۔ کسی نے کہا کہ چند دن قبل وزیر اعظم گیلانی بھی یہیں آئے تھے۔ اندر گئے تو راولپنڈی خیابان سید کے علاقے کے ایم پی اے ضیاالحق، طارق رشید، مبشر رشید و دیگر نے شاہ جی کا استقبال کیا۔ یہ تمام لوگ کھانے کے لئے پہلے ہی یہاں پہنچ چکے تھے۔ قبلہ شاہ جی نے ماحاضر تناول فرمایا۔ بعد ازاں حلق کروایا گیا۔ رات کو قبلہ شاہ جی نے طواف فرمایا اور منیٰ کی جانب روانہ ہوئے۔ بارھویں کی شام تک رمی جمار، قیام منیٰ اور طواف وداع سمیت تمام مناسک کی تکمیل ہوئی۔ مناسک حج کی تکمیل کے ساتھ ساتھ قبلہ شاہ جی کی صحت بہتر ہوتی گئی۔ لگتا تھا کہ حج کے مخصوص ایام میں مخصوص کیفیات کے حصول کے لئے یہی زیادہ مناسب اور بہتر تھا۔ خصوصاً یوم عرفہ کو قبلہ شاہ جی کی طبیعت میں یک دم خاصی بہتری محسوس کی گئی۔ تیرہ ذوالحج کا دن مکہ شریف میں گزرا، اس لئے کہ چودہ کو ہی مدینۃ الرسول کی جانب عازم سفر ہونے کے لئے طے پایا تھا۔

منیٰ، عرفات، مزدلفہ سے واپسی پر قبلہ شاہ جی صاحبزادہ صاحب کے ہاں تشریف فرما ہوئے، اس لئے کہ صاحبزادہ سید فیصل ریاض شاہ کی رہائش مکۃ المکرمہ میں ہی ہے۔ صاحبزادہ صاحب کے ہاں قبلہ شاہ جی کے معمولات کے حوالے سے حافظ محمد قاسم شیخ نے جناب فیصل شاہ جی کے حوالے سے لکھا:

"ایام بیض کی راتیں شاہ جی نے اسکان کی عقبی پہاڑیوں پر گزاریں۔ فیصل شاہ جی سے پوچھا شاہ جی راتوں کو وہاں کیا کرتے تھے۔ تنہائی، جنگل اور پھر چاند سے جیسے دیرینہ آشنائی ہو، خاموش متجسس قیام، آہوں، سسکیوں اور دلدوز چیخوں کی آوازیں سکوت شب میں تھوڑی دیر مخل ہوتی لیکن ابو جی پھر محو مراقبہ ہو جاتے۔ وقفوں وقفوں کے ساتھ جیسے شاہ جی کسی سے باتیں کر رہے ہوں۔ کون اس جنگل میں شاہ جی کا شریک سفر تھا۔ یہ راز ہے جسے شاہ جی ہی خود جانتے ہیں۔ لیکن صبح تین تین بجے تک غار حرا کے اس پار دوسرے پہاڑ کی چوٹی پر کسی سے کیا لیتے اور کسی کو کیا دیتے"۔

دو جہاں چھوڑ کر ملو اس سے

وہ کہ رہتا ہے دو جہاں سے الگ
آؤ آپس میں فیصلہ کر لیں
کس کو ہونا ہے اب کہاں سے الگ

ایام بیض کی راتوں میں تو فیصل شاہ جی ہی ساتھ تھے لیکن تیرھویں کی نماز مغرب شاہ جی نے عزیزیہ میں ہی ادا فرمائی۔ بعد از مغرب دسترخوان لگایا گیا۔ شاہ جی تشریف فرما ہوئے۔ شاہ جی مہمانوں کے لئے تو مختلف نعمتوں کا اہتمام فرماتے ہیں جب کہ خود دال ہی کو زیادہ پسند فرماتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ زندہ رہنے کے لئے کھانے کا درس آپ سے ہی سیکھا جا سکتا ہے۔ کھانے کے دوران ہی آپ نے فرمایا کہ کسی نے عرفات میں عرض کیا کہ مجھے میری بیوی سے تیسری شادی کے لئے اجازت لے دیں۔ اس کے ساتھ ہی آپ کا لہجہ بہت ہی پر سوز ہو گیا اور فرمانے لگے کہ موجودہ دور نے اخلاق اور کردار کی تباہی مچا رکھی ہے۔ غیر اخلاقی حرکات حد سے تجاوز کرنے لگ گئی ہیں۔ لڑکے اور لڑکیاں گھر والوں کی مرضی کے بغیر ہی شادی رچا لیتے ہیں۔ بلکہ گھروں سے کاٹ جاتے ہیں اور پھر باہر باہر ہی شادی کی ہوتی ہے۔ نہ گھر والوں کو خبر اور نہ اجازت۔ آپ نے فرمایا نکاح سنت ہے لیکن اس کے ساتھ دیگر سنتوں کو مدنظر رکھنا بھی ضروری ہے۔ اخلاقی اقدار کو نبھانا بھی لازم ہے۔ آپ نے فرمایا موجودہ دور میں الیکٹرانک میڈیا (موبائل، انٹرنیٹ، کمپیوٹر) نے تھرکتی تصاویر اور نہ جانے کیا کیا دکھا کر جوانوں کو اخلاق باختہ بنا دیا ہے۔ ہمارے نوجوانوں کو سوچنا اور سمجھنا چاہئے کہ معاشرے اور والدین کے حقوق ہیں۔ اور شادی ایسے اہم معاملے میں ان کو اعتماد میں لینا ضروری ہے۔ شاہ جی نے دھیرے دھیرے انداز میں شریعت کو پامال کرنے والوں کو سرزنش کرنے کا بھی اظہار فرمایا۔ علامہ اسحاق صدیقی نے حج پر جانے سے قبل شاہ جی کی خدمت میں عرض کیا تھا۔

جہاں امت کی زبوں حالی کی باتیں ہوں گی
ہم گناہ گاروں کا بھی حال سنانا ہو گا

دسترخوان سمیٹنے کے ساتھ ہی یہ نشست برخاست ہوئی۔ یہ رات انتظار کی کیفیات میں بسر ہوئی اس لئے کہ اگلی صبح مدینۃ الرسول کی جانب عازم سفر ہونا تھا۔ اتفاق کی بات یہ ہے کہ کعبہ کے سامنے مقام ابراہیم پر آج جب یہ سطور سات ماہ بعد قلمبند کی جا رہی ہے تو دوبارہ عمرہ کے لئے حاضری نصیب ہوئی ہے اور صبح پھر مدینہ شریف حاضری کے لئے روانہ ہونا ہے لیکن فرق یہ ہے کہ آج سے سات ماہ قبل حج کے بعد قبلہ شاہ جی کی قیادت وصحبت میں حاضری ہو رہی تھی اور آج وہ صحبت کے بابرکات لمحات میسر نہیں، لیکن شاہ جی کی باتیں لکھتے ہوئے بھی اپنا ہی مزا محسوس ہوتا ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ بارہا ایسا ہوا کہ کسی دوست کے سامنے شاہ جی کا ذکر چھڑ جائے اور آپ کی باتیں زبان پر جاری ہوں تو ایسا سکون اور اطمینان ملتا ہے جس کو الفاظ میں بیان کرنا میرے لئے ناممکن ہے، بلکہ نعیم عصمت صاحب کا کہنا تو یہ ہے کہ غفلتوں اور بے چینی کو دور کرنے کے لئے شاہ جی کا نام لیتا ہوں تو پیر و مرشد کا نام لینے سے ہی سکون وسکینہ کی کیفیات نصیب ہو جاتی ہیں۔

تو در آ در سایہ آں عاقلے
کش نتاند برد از راہ ناقلے
پس تقرب جو بدو سوئے الٰہ
سر مپیچ از طاعت او ہیچ گاہ
زانکہ او ہر خار را گلشن کند
دیدۂ ہر کور را روشن کند

''تو اس عقلمند (عارف) کے سایہ میں آ جا، جس کو راستہ سے کوئی ہٹانے والا نہ ہٹا سکے اس کے ذریعے اللہ کا قرب طلب کر، کسی وقت بھی اس کی فرماں برداری سے منہ نہ موڑ اس لئے کہ وہ کانٹے کو پھول بنا دیتا ہے، ہر اندھی آنکھ کو روشنی عطا کرتا ہے''۔

کعبۃ اللہ کی جانب نظروں کو اٹھائے یہ التجا ہے اے رب کعبہ جلد اور بار بار قبلہ شاہ جی کی معیت میں حرمین کی حاضری نصیب فرما۔

نور و رحمت بانٹتی صبح شہر نور مدینہ شریف کے لئے سفر کا آغاز ہوا۔ وہ برکتوں والا شہر جس کو ملائکہ گھیرے رہتے ہیں اور حفاظت کرتے بھی ہیں اور کرتے بھی رہیں گے حتی کہ دجال بھی مدینۃ النبی میں داخل نہ ہونے پائے گا۔ کسی بدبخت اور خبیث کو اس شہر کی سکونت حاصل نہیں ہو سکتی اور یہ اتنا کرم اور فضل والا شہر کہ حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ جس میں استطاعت ہو وہ مدینہ میں موت طلب کرے اس لئے کہ اس میں

شاہ جی کی معیت میں بارہا حرمین کی حاضری ہوئی لیکن اس بار تو کیفیات اور انداز ہی جدا ہے

مرنے والے کی شفاعت خود رسول کریم ﷺ فرمائیں گے اور مدینہ شریف بھٹی کی مانند خبث کو دور کرتا ہے جیسے بھٹی لوہے کے خبث (زنگ) کو دور کرتی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جو میرا امتی مدینہ طیبہ کی تکلیف اور شدت پر صبر کرے گا (اگر وہ گناہ گار ہوگا) تو میں قیامت کے روز اس کا شفیع ہوں گا (اگر وہ نیکو کار ہوگا) تو میں اس کا گواہ ہوں گا''۔

آرزو کرے تو آدمی مدینے کی
ہو ہی جائے گی اک دن حاضری مدینے کی
مصطفےٰ کے تلووں کو چوما ہے تو ہی بھر کے
جھومتی ہے قسمت پر ہر گلی مدینے کی
عاشقوں سے سنتے تھے خود بھی جا کے دیکھا
زندگی مدینے کی بندگی مدینے کی
شمس اور قمر دونوں دوجہاں کو دیتے ہیں
روشنی مدینے کی چاندنی مدینے کی

شہر مکہ سے باہر چیک پوسٹ پر پاسپورٹ اور اندراج کے مراحل حج کے موقع پر کئی گھنٹوں پر محیط ہوتے ہیں۔ حاجیوں کو یہاں بھی صبر سے کام لینا پڑتا ہے۔ قبلہ شاہ جی یہاں پر بھی خاصی دیر گاڑی ہی میں تشریف فرما تھے۔ فیصل شاہ جی اور ان کے ننھے منے صاحبزادے سید عبداللہ بھی ساتھ ہی تھے۔ چار گھنٹے کا سفر پورا دن جاری رہا۔ رات کو حرم مدینہ داخل ہوئے۔

سحری قبلہ شاہ جی مسجد نبوی میں تشریف فرما ہوئے۔ نماز فجر سے پہلے اور بعد میں بھی شاہ جی مسجد نبوی ہی میں تفسیر لکھتے رہے۔ تفسیر کا سلسلہ ختم ہوتے ہی مراقبہ جاری ہو گیا۔ قبلہ شاہ جی مسجد نبوی میں خاصی دیر تک مراقبہ فرماتے ہیں، بلکہ 2004 کی بات ہے کہ دوران عمرہ خدمت میں حاضری کا بہت ہی موقع نصیب ہوتا۔ ایک دن مسجد نبوی میں شاہ جی نے نماز عصر سے مغرب اور پھر نماز مغرب ادا کرنے کے بعد عشاء تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ عشاء کی نماز کے بعد رہائش پر تشریف فرما ہوئے۔ تو فرمانے لگے آج سرکار نے بڑے ہی کرم سے نوازا ہے، پھر خود ہی فرمانے لگے میں سویا تو نہیں تھا۔ میں نے عرض کیا نہیں، پھر فرمانے لگے کہ ہاں نہیں سویا تھا آج تو بیداری میں جاگتے ہوئے محبوب کی بارگاہ میں حاضری ہوئی، پھر دریائے رحمت، اکابرین سلسلہ، دستار بندی اور دیگر تذکرے فرمائے۔ لیکن مجھے تو وہ الفاظ ہی نہیں آتے کہ جن کلمات سے میں ان نور و رحمت باتوں کا ذکر کر سکوں، لیکن اس حقیقت میں شک نہیں کہ شاہ جی کا شمار ان مقربین خاص میں ہوتا ہے جن کو معبود و محبوب کی بارگاہ میں بے حجاب حاضریاں ہوتی ہیں۔ خیر بات ہو رہی تھی کہ مسجد نبوی میں قبلہ شاہ جی کو تلاوت، درود شریف، مراقبہ یا تفسیر لکھتے ہوئے ہی دیکھا گیا ہے۔ شاہ جی عام طور پر مسجد نبوی میں ایسی ہی جگہ کا انتخاب فرماتے ہیں جہاں آمد و رفت کم ہو، تا کہ کوئی پہچان نہ پائے۔ زیادہ سے زیادہ وقت انہی کی بارگاہ میں حاضری ہو۔ مراقبے کے بعد دعا فرمائی اور پھر باب السلام سے ہوتے ہوئے مواجہہ شریف کے سامنے حاضر ہوئے۔ دربانوں نے جلدی گزرنے کا کہا تو شاہ جی سلام عرض کر کے باہر تشریف لائے۔ جنت البقیع کے سامنے دعا فرمائی اور کمرے میں تشریف لائے۔ جب کمرے میں پہنچے تو ویل چیئر کی خدمت میرے حصے میں تھی۔ بیڈ تک چیئر لے گیا تو شاہ جی خوش ہوئے اور اس موقع پر علم و عمل، دولت اور آخرت کی بہتری کی چار دعائیں راقم کے لئے کی اور حقیقت یہ ہے کہ اس سفر میں شاہ جی کی یہی دعا میرے لئے عظیم سرمایہ ہے۔ پھر فاروق احسن، لیاقت علی، محمد بہاؤالدین، شیخ قاسم اور دیگر سنگیوں کے لئے بھی دعا فرمائی۔ فاروق بھائی کا کہنا ہے کہ شاہ جی کی معیت میں بار ہا حرمین کی حاضری ہوئی لیکن اس بار تو کیفیات اور انداز ہی جدا ہے بار بار دعا کے لئے ہاتھ بلند ہوتے دیکھ رہے ہیں۔ جب بھی کسی نے دعا کے لئے کہا یا کوئی خدمت کی۔ تو شاہ جی اس کے لئے اسی لمحے ہی جہاں بھی ہوئے دست بدعا ہو جاتے ہیں۔

دست پیر از غائباں کوتاہ نیست
دست او جز قبضۂ اللہ نیست
غائباں را چنیں خلعت دہند
حاضراں از غائباں لاشک بہند

پیر کا ہاتھ غیر حاضر لوگوں سے (بھی) کوتاہ نہیں ہے، اس کا ہاتھ اللہ تعالیٰ ہی کا ہاتھ ہے۔ جب وہ غیر حاضر لوگوں کو ایسا انعام دیتے

ان حقیقتوں کو الفاظ کے قالب میں ڈھالنا از بس دشوار بھی ہے اور ہماری رسائی سے بالا بھی

شریعت میں ہجوم اور بھیڑ کے موقع پر دوسروں کو زحمت اور دھکے دے کر حجر اسود کا بوسہ لینے سے منع کیا گیا ہے

ہیں تو لامحالہ حاضر لوگ، غیر حاضروں سے بہتر ہیں۔

کھڑکی سے پردہ ہٹایا گیا اور سامنے گنبد خضریٰ تھا۔ فرمانے لگے یہ بھی سرکار کا کرم ہے بہت اچھی جگہ نصیب ہوئی، پردہ ہٹاؤ تو سامنے سرکار کا نور باشتا گنبد خضریٰ، پھر شاہ جی نے روضہ شریف کی جانب رخ کر کے کچھ اس انداز سے بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں سلام پیش کیا کہ اب بھی اس کا تصور آتے ہی ایک عجیب کیفیت ہو جاتی ہے۔

السلام عليك يارسول الله ،السلام عليك يا حبيب الله ،السلام عليك يا رحمة العالمين ، السلام عليك يا ابا لفاطمه ، السلام عليك يا جد الحسنين ، السلام عليك يا امام الاولين ، السلام عليك يا امام الاخرين ،السلام عليك يا امام المتقين ،السلام عليك يا حب ابی بكر ن الصديق ، السلام عليك يا محبوب عمر ابن الخطاب ، السلام عليك يا مقصود عثمان ابن عفان، السلام عليك يا مطلوب على المرتضے ، السلام عليك يا رسول الله، السلام عليك يا حبيب الله۔

مختلف صیغوں اور کلمات کے ساتھ صلوۃ وسلام نے رحمتوں کی برسات کا ماحول پیدا کر دیا۔ خصوصاً یہ کلمات تو اب بھی سماعتوں میں گونجتے ہیں۔ یارسول اللہ ہم مساکین اور فقرا کا سلام قبول فرمائیے ہم آپ کے باب کرم پر حاضر ہیں۔

یارسول الله، الوقت القليل ،الوقت المحدود ورحمتك لا محدود ،یا رسول الله نحن من المساكين والفقرالى بابك الكرم والى بابك الرحمه

حقیقت یہ ہے کہ شاہ جی نے سب کی جانب سے جب سلام پیش کیا تو اس وقت یوں محسوس ہوا کہ بارگاہ محبوب میں قبولیت ہو گئی ہے۔

یہاں پر پھر کہوں گا کہ وہ کیفیات ناقابل بیان ہیں۔

سرکار ﷺ کی رحمت نے مگر خوب نوازا
یہ سچ ہے کہ خالد سا نکما نہیں کوئی

مدینہ شریف قیام کے دوران شاہ جی تمام ساتھیوں کی دعوت کا اہتمام ضرور فرماتے ہیں۔ اس بار بھی قاسم بھائی کو فرمانے لگے کہ شام کو دوستوں کو میری جانب سے بہت اچھا سا کھانا کھلاؤ۔ آپ فرماتے ہیں کہ مدینہ شریف میں زیادہ خرچ کرنے سے اللہ تعالیٰ زیادہ برکتیں عطا فرماتا ہے۔ موون پک انوار مدینہ میں میں اس بار قیام تھا۔ شاہ جی اپنے کمرے میں تشریف فرما تھے اور کھڑکی سے پردہ سرکا ہوا تھا۔ روضہ رسول نگاہوں کے سامنے تھا۔ آپ فرمانے لگے یوں تو اس دور کی ہر چیز کو ختم کر دیا، اس لئے کہ مسجد نبوی کی توسیع اس قدر ہوئی کہ آج جہاں مسجد نبوی ہے اس دور کا مدینہ شریف اتنا ہی تھا۔ پھر آپ نے کمرے سے دائیں جانب اشارہ کیا تو سامنے ایک باغ تھا۔ آپ فرمانے لگے کہ یہ باغ اس دور کا ابھی تک محفوظ ہے۔ یہ وہ باغ ہے جہاں رسول کریم ﷺ کے وصال کے بعد انصار جمع تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ آئے اور پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خلافت کے لئے بیعت لی۔

زندگی کے خوبصورت لمحات نے شاہ جی کے ساتھ مدینہ شریف میں سعادت حاصل کی اور آخر وہ گھڑیاں بھی آگئیں جب نور و رحمت والے شہر سے جدا ہونے کے لئے روضہ شریف پر حاضری ہوئی۔ سلام پیش کیا۔ اجازت طلب کی۔ بار بار حاضری کی درخواست پیش کی۔ درود وسلام کے ساتھ ہی پاکستان کے لئے روانہ ہوئے۔

بیٹھے تھے نیازی بھی مصطفےٰ کی چوکھٹ پر
یاد آ رہی ہے وہ گھڑی مدینے کی

يارب العالمين ،يا ارحم الرحمين

مفسر قرآن، مفکر اسلام، حضور قبلہ شاہ جی کی معیت وصحبت میں بار بار حرمین کی حاضریاں نصیب فرما۔

اے اللہ، اے معاف کرنے کرنے والے
اپنے مقرب شاہ جی کے طفیل
ہماری خطاؤں کو معاف فرما۔
اے کریم آقا، اے فضل کرنے والے
حضرت شاہ جی کے وسیلے سے دین کی راہوں میں استقامت عطا فرما۔
اے دلوں کو پاک کرنے والے رب
پیر و مرشد قبلہ شاہ جی کے طفیل
شیطان اور نفس کے فتنوں سے محفوظ فرما۔
یا الٰہ العالمین
اپنے خاص دوست قبلہ شاہ جی کے وسیلے سے دنیا و آخرت حسنہ بنا دے۔ امین بجاہ النبی الامین ﷺ

☆☆☆